فہم القرآن سیریز نمبر 1

وما من دآبة 12

www.KitaboSunnat.com

سوال وجواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

رکوع نمبر:1

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (6) ﴾

”زمین میں چلنے والا کوئی جان دار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ ایک واضح کتاب میں ہے۔“(6)

سوال1: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ ”زمین میں چلنے والا کوئی جان دار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ ﴾ ”زمین میں چلنے والا کوئی جان دار نہیں“ یعنی سارے جانور اور ان میں انسان بھی ہیں۔(جامع البیان) **(2)** ﴿ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ ”مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی روزی کی ذمہ داری لے لی ہے۔خواہ انسان ہوں یا حیوان، سمندر کے جانور ہوں یا خشکی کے یا فضاؤں میں پرواز کرنے والے پرندے، چھوٹے ہوں یا بڑے۔ **(3)** رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں رکھتے ، اللہ تعالیٰ ہی انہیں بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ سب کچھ سننے والا ، سب کچھ جاننے والا ہے۔(العنکبوت:60) **(4)** اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے لیے رزق کے ذرائع پیدا کیے۔اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے اندر یہ قوت پیدا کی ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے مطابق رزق حاصل کریں۔ **(5)** رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی سنت ہے:(الف) ہر شخص اپنے مقدر کے لئے کوشش کرے گا۔(ب) ہر مخلوق کے لیے رزق مقرر ہے، متعین ہے۔ **(6)** حدیث میں ہے:”اعقل وتوکل“ کہ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھ دیجئے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے۔ایک دوسری حدیث میں ہے: کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنی عمر اور رزق جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے پورا نہ کرے۔لہٰذا تم کو چاہئے کہ کسب معاش کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جائز طریقوں سے روزی حاصل کرو۔(اشرف الحواشی 267/1:) **(7)** سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی ایسے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔صبح کو وہ گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔(ترمذی:2344) **(8)** سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میرے دل میں جبرئیل امین نے یہ بات ڈال دی ہے کہ اس وقت تک کسی شخص کو موت نہ آئے گی جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے سو تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رزق طلب کرنے میں خوبی کا خیال رکھو اور رزق ملنے میں دیر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ذریعہ طلب نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی فرماں برداری کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔(رواہ الحاکم کما فی الترغیب:535/2) **(9)** سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندے کو اسی طرح طلب کر لیتا ہے جس طرح اسے موت طلب کر لیتی ہے۔ (ابن حبان البزار 535/2:) **(10)** سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو وہ اسے پکڑ لے گا جیسا کہ اسے موت پکڑ لے گی۔ (طبرانی الترغیب:2/536) **(11)** سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی آپ نے اسے لے لیا۔ وہیں پر ایک سائل موجود تھا۔ وہ کھجور آپ ﷺ نے اسے عطا فرما دی اور فرمایا کہ خبردار اگر تو اس کے پاس نہ آتا تو یہ تیرے پاس آ جاتی۔ (طبرانی الترغیب:2/536)

سوال 2: اگر رزق کی فراہمی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے تو قحط سے یا بعض دوسری وجوہ سے انسان ہزاروں کی تعداد میں مر کیوں جاتے ہیں؟

جواب: قحط تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو لوگوں کی نافرمانیوں کی وجہ سے انسانوں پر مسلط کیا جاتا ہے اور دوسری وجوہ بعض انسانوں کی دوسروں پر ظلم و زیادتی اور معاشی وسائل کی ناہموار تقسیم کی بنا پر ایسے حادثات وجود میں آتے ہیں اور یہ سب کچھ انسانوں کے کسب اعمال کا ہی نتیجہ ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جان داروں کے رزق میں کمی یا کوتاہی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ (تیسیر القرآن:2/332،333)

سوال 3: ﴿ وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ﴾ ''اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَيَعْلَمُ ﴾ ''اور وہ جانتا ہے''، یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کے علم میں ہے کچھ بھی اس سے چھپا ہوا نہیں، وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔ **(2)** ﴿ مُسْتَقَرَّهَا ﴾ ''اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو بھی'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق مستقر وہ جگہ ہے جہاں کسی نے اس دنیا میں زندگی (کا اکثر حصہ) بسر کیا ہو۔ (تیسیر القرآن:2/332،333) **(3)** ﴿ مُسْتَقَرَّ ﴾ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جانور رہتے ہیں، جسے ٹھکانہ بنا لیتے ہیں اور جہاں پناہ لیتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:2/1181) **(4)** ﴿ وَمُسْتَوْدَعَهَا ﴾ ''اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی'' مستودع سے مراد وہ جگہ ہے جہاں وہ دفن ہوا اور ہر جان دار کے ان دونوں مقامات کا اللہ تعالیٰ کو پوری طرح علم ہے۔ (تیسیر القرآن:2/332،333) **(5)** مستودع سے مراد وہ جگہ ہے جہاں وہ اپنی آمد و رفت اور مختلف احوال میں منتقل ہوتے ہیں۔ **(6)** اللہ تعالیٰ ہر جان دار کے رہنے سہنے کی جگہوں کو، زمین پر چلنے پھرنے کے مقامات کو، ان کے قبروں کے گڑھوں کو اور ان کی زندگی کے گھروں کو خوب جانتا ہے، اسے معلوم ہے کہ وہ زندگی میں کہاں کہاں رہیں گے، انہیں کہاں اور کس سرزمین پر موت آئے گی، اسے ان کا وہ گھر بھی معلوم ہے جہاں وہ ابتدائی پیدائشی منزلوں سے گزرے تھے اور وہ گھر بھی جہاں سے وہ چند قطروں کی صورت میں رحم میں ڈال دیے گئے تھے۔ (ابن ابی حاتم)

سوال 4: ﴿ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴾ ''سب کچھ ایک واضح کتاب میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ كُلٌّ ﴾ ''سب کچھ''، یعنی ساری مخلوقات کا رزق، رہنے کی جگہیں اور سونپے جانے کی جگہیں، ان تمام کی تفصیل۔ **(2)** ﴿ فِي

﴿كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''ایک واضح کتاب میں ہے''یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔(3)یعنی ہر چیز لوح محفوظ میں مرقوم ہے، جوان تمام حوادث وواقعات پر مشتمل ہے جواس کائنات میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔تمام حوادث کا اللہ تعالیٰ کے علم نے احاطہ کر رکھا ہے۔اس نے ہر چیز کی تقدیر لکھ دی ہے۔ ہر چیز پر اس کی مشیت نافذ ہے اور ہر ایک کے لیے اس کا رزق وسیع ہے۔دل، اس ہستی کی کفایت پر مطمئن ہوجانے چاہئیں، جوان کے رزق کی کفالت کرتی ہے اور جس کے علم نے مخلوق کی ذات وصفات کا احاطہ کر رکھا ہے۔(تفسیر سعدی:1181/2)(4)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تمہارے جوڑے بنائے اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ کوئی بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور کسی عمر پانے والے کو عمر نہیں دی جاتی اور نہ کسی کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر وہ ایک کتاب میں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے۔(فاطر:11) (5) سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: چالیس یا پینتالیس رات تک نطفہ جب رحم میں ٹھہر جاتا ہے تو فرشتہ اس پر داخل ہو کر کہتا ہے: اے رب! یہ بد بخت ہے یا نیک بخت؟ پھر انہیں لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر کہتا ہے: اے رب یہ مذکر ہوگا یا مونث؟ پھر ان دونوں باتوں کو لکھا جاتا ہے اور اس کے اعمال وافعال' موت اور اس کا رزق لکھا جاتا ہے۔ پھر صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے۔اس میں زیادتی کی جاتی ہے نہ کمی۔''(صحیح مسلم:6725) (6) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھی اور اس (اللہ تعالیٰ) کا عرش پانی پر تھا۔(مسلم:6748)(7) جب وہ ایک ایک جان دار کو روزی پہنچاتا ہے، دنیا میں ان کی جگہوں کو اور موت کے بعد ان کے ٹھکانوں کو جانتا ہے، تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے اقوال وافعال اور ان کے دیگر تمام احوال وکوائف سے بے خبر رہے؟(تیسیر الرحمٰن:634/1)

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَي الْمَاۗءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے اور یقیناً اگر آپ کہیں کہ بلاشبہ تم موت کے بعد اٹھائے جانے والے ہو تو جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً ضرور کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''(7)

سوال1: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ﴾ ''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا'' کی وضاحت کریں؟

(1) ﴿ وَهُوَ الَّذِىْ ﴾ ''اور وہی ہے جس نے'' وہ عظیم ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔(2) ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ﴾ ''آسمانوں اورزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا'' جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو اپنی قدرت سے تخلیق کیا۔وہ قدیر ہے، وہ عظیم ہے، وہی خبیر، وہی علیم ہے۔(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴾ اور بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے یقیناً چھ دنوں میں پیدا کر دیا اور ہمیں تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں۔(ق:38) (4) پہلا دن اتوار اور چھٹا دن جمعہ تھا۔(تفسیر سعدی:1182/2) (5) اللہ تعالیٰ کے ایک دن کی مقدار کتنی ہے، فرمایا: ﴿ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴾ اور یقیناً تیرے ربّ کے ہاں کا ایک دن اس ایک ہزار سال کی مانند ہوتا ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔(سورۃ الحج:47) (6) جس نے زمین وآسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا حالانکہ وہ پلک جھپکنے سے کم مدت میں پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔تدریجی طور پر تخلیق میں حکمت ہے۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے افعال میں انتہائی نرم اور مہربان ہے۔اس میں مخلوق کے لیے سبق ہے کہ وہ اپنے کام تدریجی طور پر انجام دیں۔

سوال2: ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ ''اور اس کا عرش پانی پر تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور اس کا عرش پانی پر تھا'' جس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس کا عرش پانی پر تھا۔(2) عرش ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔(3) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اونٹ کو میں نے دروازے پر ہی باندھ دیا۔اس کے بعد بنی تمیم کے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے بنو تمیم! خوش خبری قبول کرو۔انہوں نے دوبارہ کہا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خوش خبری دی ہے تو اب مال بھی دیجیے۔پھر یمن کے چند لوگ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ خوش خبری قبول کرلو اے یمن والو! بنو تمیم والوں نے تو نہیں قبول کی۔وہ بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے خوش خبری قبول کی۔پھر وہ کہنے لگے: ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس (عالم کی پیدائش) کا حال پوچھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ازل سے موجود تھا اور اس کے سوا کوئی چیز موجود نہ تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔لوح محفوظ میں اس نے ہر چیز کو لکھ لیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا (ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ) ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ ابن الحصین! تمہاری اونٹنی بھاگ گئی۔میں اس کے پیچھے دوڑا۔دیکھا تو وہ سراب کی آڑ میں ہے (میرے اور اس کے بیچ میں سراب حائل ہے یعنی وہ ریتی جو دھوپ میں پانی کی طرح چمکتی ہے) اللہ تعالیٰ کی قسم، میرا دل بہت پچھتایا کہ کاش، میں نے اسے چھوڑ دیا ہوتا (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی ہوتی۔)(صحیح بخاری:3191) (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندو! (میری راہ میں) خرچ کرو تو میں بھی تم پر خرچ کروں گا اور فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔(اس کا خزانہ بے انتہا ہے) کتنا ہی خرچ ہو وہ کم نہیں ہوتا، رات اور دن اس کا فیض جاری ہے اور فرمایا تم نے دیکھا نہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو

پیدا کیا ہے‘مسلسل خرچ کئے جا رہا ہے‘لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی‘اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان عدل ہے جسے وہ جھکا تا اور اٹھا تا رہتا ہے۔(بخاری:4684) **(5)** عرش بادشاہ کائنات کا تخت ہے۔وہیں سے وہ تمام امور کی تدبیر کرتا ہے۔ **(6)** اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مستوی ہے۔

سوال3:﴿ **لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** ﴾ ’’تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **لِيَبْلُوَكُمْ** ﴾ ’’تا کہ وہ تمہیں آزمائے‘‘یعنی آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کا مقصد جنوں اور انسانوں کی آزمائش ہے۔گویا کائنات کا نظام بے مقصد نہیں ہے بلکہ اچھے اور برے لوگوں کی جانچ کے لیے قائم کیا گیا ہے۔(دعوۃ القرآن:14/3) **(2)**﴿ **اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** ﴾ ’’کہ تم میں عمل کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے‘‘یعنی وہ اپنے اوامر ونواہی کے ذریعے سے تمہارا امتحان لے اور دیکھے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:1182/2) **(3)** رب العزت نے فرمایا:﴿ **الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲** ﴾وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے؟اور وہ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔(الملک:2) **(4)** اللہ تعالیٰ نے زندگی اسی لیے عطا کی کہ ہمارا امتحان ہو اور موت اس لیے دے گا تا کہ امتحان کے بعد وقت ختم ہو جائے پھر دوبارہ زندگی ملے اور پہلی زندگی کے اعمال کے مطابق جزا،سزا دی جائے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ **لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝۳۱** ﴾ تا کہ جنہوں نے برائیاں کیں انہیں اس کا بدلہ دے جو انہوں نے عمل کیا اور جن لوگوں نے بھلائی کی انہیں بھلائی کے ساتھ بدلہ دے۔(النجم:31) **(5)** سیدنا فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا:سب سے اچھا عمل وہ ہے جو سب سے خالص اور سب سے صحیح ہو۔پوچھا گیا کہ سب سے خالص اور سب سے صحیح سے کیا مراد ہے؟فرمایا:اگر عمل خالص ہو اور صحیح نہ ہو تو قبول نہیں ہوتا اور اگر عمل صحیح ہو مگر خالص نہ ہو تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے حضور قابل قبول نہیں ہوتا۔صرف وہی عمل قابل قبول ہوتا ہے جو خالص بھی ہو اور صحیح بھی۔خالص وہ عمل ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو اور صحیح وہ عمل ہے جس میں شریعت اور سنت کی پیروی کی گئی ہو۔(تفسیر سعدی:1182/2) **(6)** اچھے عمل میں خلوص کے ساتھ شریعت محمدی ﷺ کی مطابقت بھی پائی جاتی ہے۔اگر عمل میں خلوص نہ ہو لیکن مطابقت ہو تو شرک ہے اور اگر خلوص ہو مگر مطابقت نہ ہو تو بدعت ہے اور شرک وبدعت دونوں خطرناک چیزیں ہیں،اللہ تعالیٰ ان گندگیوں سے تمام انسانوں کو محفوظ فرمائے۔(آمین)(مختصر ابن کثیر:822/1) **(7)** سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب نبی ﷺ نے یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا:یارسول اللہ ﷺ مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔آپ ﷺ نے فرمایا:تو اپنے دین میں اخلاص رکھ تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔(الترغیب والترھیب:54/1) **(8)** آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے ’’احسن عملا‘‘ کہا ہے ’’اکثر عملا‘‘ نہیں کہا،اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حسن عمل کا اعتبار ہے،کثرت عمل کا نہیں۔(تیسیر الرحمٰن:635,634/1) **(9)**

احسن عمل کا تعین انسان کے مقصد زندگی سے ہوتا ہے۔جوانسان اپنی زندگی کا مقصد جس قدر احسن انداز میں پورا کررہا ہو اس کے اعمال اتنے ہی احسن ہوں گے۔انسان کے مقصد زندگی کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تا کہ وہ میری عبادت کریں۔(الذاریات:56) اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی ان ہی کی مثل۔ان کے درمیان حکم اترتا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے علم میں یقیناً ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔(الطلاق:12) **(10)** اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اپنی عبادت اور اپنے اسماء وصفات کی معرفت کے لیے پیدا کیا ہے اور اسی چیز کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے۔پس جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور اس ذمہ داری کو ادا کر دیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا وہ فلاح پانے والوں میں سے ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعراض کیا تو یہی گھاٹے میں پڑنے والے لوگ ہیں۔اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ایک جگہ جمع کرے گا پھر ان کو اپنے اوامر ونواہی کے مطابق جزا دے گا۔(تفسیر سعدی:1182/2)

سوال4:﴿ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ”اور یقیناً اگر آپ کہیں کہ بلاشبہ تم موت کے بعد اٹھائے جانے والے ہو تو جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً ضرور کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَىِٕنْ قُلْتَ ﴾ ”اور یقیناً اگر آپ کہیں“ اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ اگر آپ ان کافروں کے سامنے موت کے بعد آنے والی زندگی کا عقیدہ رکھیں۔**(2)**﴿ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ ﴾ ”بلاشبہ تم موت کے بعد اٹھائے جانے والے ہو“ یعنی تم لوگوں کو موت کے بعد نئے سرے سے زندگی دی جائے گی اور تمہیں تمہاری قبروں سے اٹھایا جائے گا تا کہ تمہارا حساب کتاب ہو اور تمہیں اس دنیا کے اعمال کے مطابق جزا دی جائے۔**(3)**﴿ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ”تو جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً ضرور کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے“ رب العزت نے خبر دی ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی کے بارے میں آپ انہیں آگاہ کریں گے تو یہ آپ کی تصدیق نہیں کریں گے۔پوری شدت سے جھٹلائیں گے اور کہیں گے یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔**(4)** جادو کا تعلق عقل وفہم کو برباد کر دینے سے ہوتا ہے۔جو لوگ اٹھائے جانے کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ اپنی ناسمجھی کو دوسروں کی ناسمجھی ثابت کرنے کے لئے موت کے بعد اٹھائے جانے کو جادو قرار دیتے ہیں۔**(5)** کافروں سے جب یہ سوال کیا گیا کہ زمین وآسمان کس نے پیدا کیے تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ اور یقیناً اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے،پھر وہ کہاں سے

بہکائے جاتے ہیں؟(الزخرف:87)(6)تو جو بغیر نمونے کے آسمان وزمین کو پیدا کرسکتا ہے وہ دوبارہ اسے کیوں نہیں بنا سکتا؟(7)رب العزت کا فرمان ہے:﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور وہ اس پر آسان ترین ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ صفت اسی کے لیے ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔(الروم:27)(8)﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴾ تم سب انسانوں کا پیدا کرنا اور تمہارا دوبارہ اٹھانا ایک ہی نفس جیسا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔(لقمان:28)

سوال2: کافرموت کے بعد کی زندگی کے عقیدے کو جادو کیوں کہتے تھے؟

جواب:(1) کافر موت کے بعد کی زندگی کو نہیں مانتے، وہ اس عقیدے کو جادو قرار دے کر اس سے گریز کرتے ہیں۔(2) کافر ان لوگوں کو جو موت کے بعد کی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہیں اپنے کفر اور رسم ورواج کی وجہ سے ''مسحور'' قرار دیتے ہیں۔

﴿ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ(8) ﴾

''اور یقیناً اگر ہم ایک گنی ہوئی مدت تک ان سے عذاب کو مؤخر کردیں تو یقیناً وہ ضرور کہیں گے کہ کیا چیز اسے روک رہی ہے؟ سن لو! جس دن وہ ان پر آجائے گا تو وہ ان سے ہٹایا جانے والا نہیں اور ان کو وہی گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔''(8)

سوال1:﴿ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ﴾ ''اور یقیناً اگر ہم ایک گنی ہوئی مدت تک ان سے عذاب کو مؤخر کردیں تو یقیناً وہ ضرور کہیں گے کہ کیا چیز اسے روک رہی ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ ﴾ ''اور یقیناً اگر ہم ایک گنی ہوئی مدت تک ان سے عذاب کو مؤخر کردیں'' یعنی اگر کافروں پر کچھ عرصے کے لیے عذاب موقوف کردیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بے بنیاد دھمکی ہے اور وہ جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔(2) امۃ کا لفظ قرآن وحدیث میں کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں اس سے مدت مراد ہے جیسا کہ ﴿ واذكر بعد امة ﴾ (اس کو ایک مدت بعد یاد آیا) میں یہی معنی مراد ہے۔(3)﴿ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ﴾ ''تو یقیناً وہ ضرور کہیں گے کہ کیا چیز اسے روک رہی ہے؟'' کافروں کے دلوں میں کفر جڑیں پکڑ جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ عذاب کو کس چیز نے روک رکھا ہے۔ یوں وہ فوری عذاب نہ آنے کو رسول کے جھوٹا ہونے پر دلیل بناتے ہیں کیونکہ رسول ہی عذاب آنے کی وعید سناتا ہے۔(4) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہ کلام تیری طرف سے واقعی حق ہے تو ہم پر آسمانوں سے پتھر برسا دے یا پھر کوئی اور ہی عذاب دے۔ اس

وقت یہ آیت نازل ہوئی:﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ انہیں عذاب دے جب تک آپ ان میں ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت بھی عذاب دینے والا نہیں جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں اور کیا ہے ان کے لیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے؟ حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔'' آخر آیت تک۔(بخاری:4648)

سوال 2:﴿ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ ''سن لو! جس دن وہ ان پر آجائے گا تو وہ ان سے ہٹایا جانے والا نہیں اور ان کو وہی گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ ﴾ ''سن لو! جس دن وہ ان پر آجائے گا تو وہ ان سے ہٹایا جانے والا نہیں''یعنی جس دن عذاب آئے گا تو ان کو موقع نہیں ملے گا کہ وہ اپنے معاملہ پر غور وفکر کرسکیں۔(2)﴿ وَحَاقَ بِهِمْ ﴾ ''اور ان کو وہی گھیر لے گا''یعنی عذاب ان پر نازل ہوگا، ان کو گھیر لے گا اور وہ بچ نہیں پائیں گے۔(3)عکرمہ کے سوا اور لوگوں نے کہا کہ'' حَاقَ '' کا معنی اتر پڑا ہے۔اسی سے ہے یحیق یعنی اترتا ہے۔(بخاری کتاب التفسیر)(4)یعنی وہ عذاب جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے جیسے جنگ بدر کا عذاب۔(تفسیر مظہری:14/6)
(5)﴿ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ ''جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے''وہ عذاب کا مذاق اس لیے اڑاتے تھے کہ عذاب کی وعید سنانے والے کو چھوٹا اور حقیر سمجھتے تھے۔(6)مشرکین مکہ بڑے بڑے سردار تھے جن کا دین ودنیا کا جو کچھ انجام ہوا وہ صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے انس بن مالک کی روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی میں یہ لوگ مارے گئے اور تین دن تک بے گور وکفن ان کی لاشیں پڑی رہیں اور پھر ان لاشوں کو کھینچ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔(بخاری:566/2،احسن التفاسیر)

رکوع نمبر:2

﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ (9) ﴾

''اور یقیناً اگر ہم انسان کو اپنی کسی رحمت کا مزہ چکھائیں پھر ہم وہ اس سے چھین لیں تو بلاشبہ وہ یقیناً انتہائی ناامید، بے حد ناشکرا ہوتا ہے۔''(9)

سوال 1:﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴾ ''اور یقیناً اگر ہم انسان کو اپنی کسی رحمت کا مزہ چکھائیں پھر ہم وہ اس سے چھین لیں تو بلاشبہ وہ یقیناً انتہائی ناامید، بے حد ناشکرا ہوتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ﴾ ''اور یقیناً اگر ہم انسان کو اپنی کسی رحمت کا مزہ چکھائیں پھر ہم وہ اس سے چھین لیں''اللہ رب العزت نے انسان کی فطرت کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے کہ وہ ظالم اور جاہل ہے جب اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت کا

مزہ چکھاتا ہے یعنی رزق کی کشادگی، خوش حالی اور دنیا اس کے لیے کھول دیتا ہے۔(2)اس مقام پر دنیا میں رزق کے دروازوں کے کھل جانے جیسی نعمتوں کو رحمت قرار دیا گیا۔(جامع البیان)(3)﴿ ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ﴾''پھر ہم وہ اس سے چھین لیں'' پھر اللہ تعالیٰ اس سے رزق، اولاد یا صحت چھین لیتا ہے۔انسان پر مصائب آزمائش کے لیے آتے ہیں۔مصائب یہ جانچنے کے لیے آتے ہیں کہ انسان مصیبت میں کیسا طرزِعمل اختیار کرتا ہے۔(4)﴿ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ﴾''بلاشبہ وہ یقیناً انتہائی ناامید، بےحد ناشکرا ہوتا ہے'' تو ایسا انسان نعمتوں کے بعد آنے والی تکلیف پر ناامید ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہوجاتا ہے۔اس کی حالت ایسی ہوجاتی ہے گویا اسے کبھی کوئی نعمت ملی ہی نہ تھی۔اسے اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید نہیں رہتی۔اس سے یہ یقین چھن جاتا ہے کہ جس رب نے پہلی بار نعمتیں دی تھیں وہ دوبارہ بھی دے سکتا ہے اور پہلے سے بڑھ کر عطا کرسکتا ہے۔

سوال2: انسان مایوس کیوں ہوجاتا ہے؟

جواب: (1)انسان فطرتاً جلد باز ہے جب حالات خراب ہوتے ہیں تو اسے اچھے حالات کی امید نہیں رہ جاتی۔(2)انسان اپنے اوپر وہی حالات طاری کرلیتا ہے جو اس کے ماحول پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔نعمتیں چھن جاتی ہیں تو اسے لگتا ہے کہ اب کبھی بھلائی نہیں ملے گی۔(3)انسان ماضی پر غوروفکر نہیں کرتا اور مستقبل کی فکر نہیں کرتا اس لیے مایوس ہوجاتا ہے۔(4)انسان اپنے پاس موجود چیزوں کو بھول جاتا ہے اور کھوئی ہوئی چیز کے غم میں مبتلا ہوتو مایوس ہوجاتا ہے۔(5)انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا ہے، یہ سوچ اسے مایوس کردیتی ہے۔

سوال3: مایوسی سے کیسے بچیں؟

جواب: (1)جب انسان کھوئی ہوئی چیز کا غم کرنے کی بجائے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو محسوس کرے تو مایوسی سے بچ سکتا ہے۔(2)جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ انعامات پر میرا حق نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی، تو مایوسی سے بچ سکتا ہے۔

﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ (10) ﴾

''اور یقیناً اگر ہم مصیبت کے بعد جو اسے پہنچی اسے نعمت کا مزہ چکھائیں تو یقیناً وہ ضرور کہے گا کہ ساری تکلیفیں مجھ سے دور ہوگئیں، بے شک وہ یقیناً بڑا پھولنے والا، بہت فخر کرنے والا ہے۔''(10)

سوال1: ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴾''اور یقیناً اگر ہم مصیبت کے بعد جو اسے پہنچی اسے نعمت کا مزہ چکھائیں تو یقیناً وہ ضرور کہے گا کہ ساری تکلیفیں مجھ سے دور ہوگئیں، بے شک وہ یقیناً بڑا پھولنے والا، بہت فخر کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ﴾ ’’اور یقیناً اگر ہم مصیبت کے بعد جو اسے پہنچی اسے نعمت کا مزہ چکھائیں تو یقیناً وہ ضرور کہے گا کہ ساری تکلیفیں مجھ سے دور ہو گئیں‘‘ یعنی اگر شر اور مصیبت کے بعد اسے آرام میسر آتا ہے مثلاً بیماری کے بعد شفا نصیب ہو جائے، تنگی کے بعد آسانی مل جائے اور خوف سے نجات مل جائے تو وہ خیال کرتا ہے کہ مصیبت کا وقت ٹل گیا اور اب دوبارہ کبھی نہیں آئے گا۔ وہ اتراتا ہے اور اپنے آپ کو عزت والا اور دوسروں کو ذلیل سمجھنے لگتا ہے۔ اسے خوش حالی کے نشے میں یوں لگتا ہے کہ یہ بھلائی ہمیشہ اس کے پاس رہے گی۔(2)﴿ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴾ ’’بے شک وہ یقیناً بڑا اپھولنے والا، بہت فخر کرنے والا ہے‘‘ وہ اپنے نفس کی خواہشات کے مطابق ملنے پر خوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر فخر اور تکبر کرتا ہے۔ یہی خود پسندی اسے دوسروں کو کم تر سمجھنے پر مجبور کرتی ہے۔

سوال 2: انسان کب اتراہٹ میں مبتلا ہوتا ہے؟

جواب:(1) انسان جب یہ نہیں سمجھتا کہ یہ انعامات اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں تو وہ اتراہٹ میں مبتلا ہوتا ہے۔(2) انسان دوسروں کو اپنے سے کم دیکھتا ہے تو اکڑنے لگتا ہے اور فخر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سوال 3: اتراہٹ اور فخر سے کیسے بچیں؟

جواب:(1) انسان جب یہ سمجھتا ہے کہ انعامات اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، اگر وہ دے سکتا ہے تو واپس بھی لے سکتا ہے۔(2) انسان جب یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرا کوئی حق نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے رحمت کی ہے تو اس شعور کے ساتھ انسان فخر میں مبتلا ہونے سے بچ سکتا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے۔﴿ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ﴾ جو بھی بھلائی تجھے پہنچے سو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔(النساء:79)

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (11) ﴾

’’مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور نیکیاں کیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔‘‘(11)

سوال 1:﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ’’مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور نیکیاں کیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ﴾ ’’مگر جن لوگوں نے صبر کیا‘‘ ابن جریج نے کہا کہ آزمائش میں صبر کرتے ہیں۔(جامع البیان)(2) انسان اتراہٹ میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ برے اخلاق سے نکال کر اخلاق حسنہ کی توفیق سے نواز دے۔(3) کامل ایمان والے نہ مایوس ہوتے ہیں نہ اتراتے ہیں بلکہ راضی برضا رہتے ہیں۔ مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں اور آسانیوں پر شکر ادا کرتے ہیں۔(4)﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ابن جریج نے کہا: نعمت پر شکر ادا کرنے کے نیک کام کرتے ہیں۔(جامع البیان) یعنی واجبات اور مستحبات پر عمل کرتے ہیں۔(5) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مومن کی مثال پودے کی پہلی نکلی ہوئی ہری شاخ جیسی

ہے کہ جب بھی ہوا چلتی ہے اسے جھکا دیتی ہے پھر وہ سیدھا ہو کر مصیبت برداشت کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور بدکار کی مثال صنوبر کے درخت جیسی ہے کہ سخت ہوتا ہے اور سیدھا کھڑا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اسے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔(صحیح بخاری:5644)(6)سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''مومن کا بھی عجب حال ہے،اس کے ہر معاملے میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ بات سوائے مومن کے کسی کو حاصل نہیں۔اگر اس کو خوشی حاصل ہوئی اور اس نے شکر ادا کیا،تو اس میں بھی ثواب ہے اور جو اس کو نقصان پہنچا اور اس پر صبر کیا،تو اس میں بھی ثواب ہے۔(مسلم:7500)

سوال2:﴿ **أُولَٰٓئِكَ لَهُم مَّغۡفِرَةٞ وَأَجۡرٞ كَبِيرٞ** ﴾''یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **أُولَٰٓئِكَ لَهُم مَّغۡفِرَةٞ** ﴾''یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے''ابن جریج نے کہا ان کے لیے گناہوں پر مغفرت ہے۔**(ابن جریج)(2)**﴿ **وَأَجۡرٞ كَبِيرٞ** ﴾''اور بہت بڑا اجر ہے''یعنی جنت۔جنت میں جو چاہیں گے ملے گا،یہی اجر کبیر ہے۔**(3)** سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:مسلمان کو اگر کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے،یا کانٹے سے بڑھ کر (یا اس سے بھی کم) کوئی تکلیف اسے پہنچتی ہے تو اس کے عوض اس کے لیے ایک درجہ لکھ دیا جاتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔(مسلم:6561)

﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكُۢ بَعۡضَ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيۡكَ وَضَآئِقُۢ بِهِۦ صَدۡرُكَ أَن يَقُولُواْ لَوۡلَآ أُنزِلَ عَلَيۡهِ كَنزٌ أَوۡ جَآءَ مَعَهُۥ مَلَكٌۚ إِنَّمَآ أَنتَ نَذِيرٞۚ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ وَكِيلٌ(12) ﴾

''پھر شاید آپ اس کا کوئی حصہ چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی جانب وحی کیا جاتا ہے یا اس پر آپ کا سینہ تنگ ہونے والا ہے کہ وہ کہیں گے اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ یقیناً آپ تو محض خبردار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگران ہے۔''(12)

سوال1: ﴿ **فَلَعَلَّكَ تَارِكُۢ بَعۡضَ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيۡكَ وَضَآئِقُۢ بِهِۦ صَدۡرُكَ أَن يَقُولُواْ لَوۡلَآ أُنزِلَ عَلَيۡهِ كَنزٌ أَوۡ جَآءَ مَعَهُۥ مَلَكٌ** ﴾''پھر شاید آپ اس کا کوئی حصہ چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی جانب وحی کیا جاتا ہے یا اس پر آپ کا سینہ تنگ ہونے والا ہے کہ وہ کہیں گے اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **فَلَعَلَّكَ تَارِكُۢ بَعۡضَ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيۡكَ** ﴾''پھر شاید آپ اس کا کوئی حصہ چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی جانب وحی کیا جاتا ہے''نبی ﷺ کے مخالفین آپ ﷺ پر اعتراضات کرتے کہ اگر رسول ہیں تو کھاتے پیتے کیوں ہیں؟ بازار کیوں جاتے ہیں؟ کبھی کہتے کہ مسلمانو! ایسے شخص کے پیچھے لگ گئے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ ان کی باتوں سے آپ پریشان ہو کر اپنے فرائض میں کمی نہ آنے دیں۔﴿ وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴾اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ

یقیناً تمہارا دل اس سے تنگ ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں۔(الحجر:97) شاید کہ آپ ان کی باتوں سے دل برداشتہ ہوکر وحی کا بعض حصہ چھوڑنا چاہتے ہیں ان کی نکتہ چینی سے آپ پریشان نہ ہوں۔رب العزت نے فرمایا: ﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایک کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے چنانچہ آپ کے دل میں اس سے کوئی تنگی نہ ہو، تاکہ آپ اس کے ذریعے سے خبردار کریں اور مومنوں کے لئے نصیحت ہے۔(الاعراف:2) (2) ﴿وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ﴾ ''یا اس پر آپ کا سینہ تنگ ہونے والا ہے کہ وہ کہیں گے اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟'' ان کی باتوں سے آپ کا دل دکھ رہا ہے کہ آپ کے پاس خزانہ کیوں نہیں یا آپ کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں رہتا۔(3) مشکوں کے قول کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝﴾ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا؟ یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا اور ظالموں نے کہا تم تو ایک سحرزدہ آدمی کے پیچھے چلتے ہو۔(الفرقان:8,7)

سوال2: ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ ''یقیناً آپ تو محض خبردار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگران ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ﴾ ''یقیناً آپ تو محض خبردار کرنے والے ہیں'' آپ کہہ دیں کہ میں تو صرف خبردار اور چوکنا کرنے والا ہوں۔(2) ﴿وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگران ہے'' جھٹلانے والوں کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے اور وہی ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔وہ ہر ایک کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔(3) اس آیت میں اس امر کی طرف راہ نمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کے لیے مناسب نہیں کہ دعوت پر اعتراض کرنے والے معترضین کے اعتراضات اور ردوقدح کی بنا پر دعوت دین سے رک جائے۔خاص طور پر جب کہ اس ردوقدح پر کوئی دلیل نہ ہو اور دعوت میں کوئی خامی بھی نہ ہو۔نیز یہ کہ داعی کو تنگ دل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اسے اپنی دعوت پر مطمئن ہونا چاہیے، وہ اپنے راستے پر گامزن رہے اور اپنی منزل کو سامنے رکھے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ داعی نئے نئے مطالبات پیش کرنے والوں کو اہمیت نہ دے، صرف دلائل ہی ان کے سامنے رکھے۔تمام مسائل پر ایسے دلائل کا قائم کر دینا جن کا توڑ نہ کیا جا سکے یہی کافی ہے۔(تفسیر سعدی:2/1285,1286)

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (13)﴾

’’یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود یہ (قرآن) گھڑ رکھا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جسے بھی تم بلا سکتے ہو بلا لاؤ اگر واقعی تم سچے ہو!‘‘ (13)

سوال 1: ﴿ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** ﴾ ’’یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود یہ (قرآن) گھڑ رکھا ہے؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** ﴾ ’’یا وہ کہتے ہیں‘‘ کیا نبی کے مخالف یہ کہتے ہیں۔ (2) ﴿ **افْتَرٰىهُ** ﴾ ’’اس نے خود یہ (قرآن) گھڑ رکھا ہے؟‘‘ یعنی اس قرآن کو محمد ﷺ نے خود اپنی طرف سے بنالیا ہے۔

سوال 2: ﴿ **قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴾ ’’آپ کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جسے بھی تم بلا سکتے ہو بلا لاؤ اگر واقعی تم سچے ہو!‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) قرآن مجید ایک معجزانہ کتاب ہے۔ کوئی اس جیسی ایک آیت، ایک سورت بنا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (2) سورۃ یونس آیت 39 کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو قرآن کریم جیسا کلام لانے کا چیلنج کئی مراحل میں کیا تھا۔ پہلے کہا کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ قرآن محمد کا کلام ہے تو اس جیسا تم بھی پیش کرو، جب عاجز و ساکت رہے تو اس آیت میں کہا کہ اگر پورا قرآن نہیں تو اس جیسی کم از کم دس سورتیں ہی پیش کر دو۔ جب اس سے بھی عاجز رہے تو سورۃ یونس والی آیت میں کہا کہ کم از کم ایک ہی سورت اس جیسی لے آؤ۔ اور سورۂ طور آیت 34 میں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوۂ زبان دانی کی تابوت میں آخری کیل ٹھوک دی۔ جب کہا کہ اگر تم سچے ہو تو قرآن جیسی ایک بات بھی لا دو۔ اور عربوں کے تمام فصحاء و بلغاء اور ادباء و شعراء پر گنگ طاری رہی، اور آج تک کوئی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔ (تیسیر الرحمٰن: 637) (3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾ کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو وہ اس کے جیسا نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔ (بنی اسرائیل: 88) (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی ایسا نہیں جس کو کچھ نشانی (یعنی معجزات) نہ دیے گئے ہوں جن کے مطابق ان پر ایمان لایا گیا یا (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) انسان ایمان لائے اور مجھے جو بڑا معجزہ دیا گیا وہ قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن شمار میں تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ پیروی کرنے والے میرے ہوں گے۔‘‘ (صحیح بخاری: 7274)

﴿ **فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (14)** ﴾

’’چنانچہ اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کیا تم فرماں بردار ہو؟‘‘ (14)

سوال1: ﴿ فَاِلَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَكُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴾ ''چنانچہ اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کیا تم فرماں بردار ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَاِلَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَكُمۡ ﴾ ''چنانچہ اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں''یعنی اگر وہ تمہاری مدد کو نہیں پہنچتے یعنی دس سورتیں گھڑ کر لانے میں تمہاری مدد نہیں کرتے یا مدد کر نہیں سکتے۔(2) ﴿ فَاعۡلَمُوۡۤا ﴾ ''تو جان لو''یعنی اہل مکہ! آپ جان لو۔(3) ﴿ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ ﴾ ''بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا ہے''جب تم قرآن جیسا کلام نہیں لا سکے تو یقین کر لو یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں لہٰذا اس کتاب پر ایمان لے آؤ۔(4) یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے علم سے نازل ہوئی ہے جو کائنات کے حالات کو، انسانوں کے ماضی، مستقبل اور حال کو جانتا ہے وہی قدرت رکھتا ہے کہ ایسا کلام نازل کرے۔اس نے اپنے بے مثال علم سے کتاب نازل کی ہے۔(5) ﴿ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں''اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ،کوئی عبادت کا حق نہیں رکھتا۔(6) ﴿ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴾ ''پھر کیا تم فرماں بردار ہو؟''یعنی کیا تم اسلام میں داخل ہوتے ہو؟ اس کے احکامات کی پیروی کرتے ہو؟ اس کی شریعت کی اقتداء کرتے ہو؟ اسلام پر ثابت قدم رہتے ہو؟ اس کے لیے خالص ہوتے ہو؟(فتح القدیر) (6) یہ سوال کہ کیا تم سر تسلیم خم کرتے ہو شعور دلاتا ہے کہ چیلنج کا مقابلہ پوری دنیا نہیں کر سکی تو اب اس دعوت کو قبول کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔

﴿ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ (15) ﴾

''جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہے، ہم ان کے اعمال کا اسی دنیا میں ہی انہیں پورا پورا بدلہ دے دیں گے اور اسی دنیا میں ان سے کمی نہیں کی جائے گی۔''(15)

سوال1: ﴿ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ ﴾ ''جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہے، ہم ان کے اعمال کا اسی دنیا میں ہی انہیں پورا پورا بدلہ دے دیں گے اور اسی دنیا میں ان سے کمی نہیں کی جائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ ﴾ ''جو کوئی ارادہ رکھتا ہے''یعنی جو اپنے عمل سے ارادہ کرتا ہے۔(جامع البیان) (2) ﴿ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ﴾ ''دنیا کی زندگی کا''یعنی صرف دنیا کی زندگی کا۔(جامع البیان) (3) ﴿ وَزِيۡنَتَهَا ﴾ ''اور اس کی زینت کا''یعنی دنیا کے حسن،صحت اور امن ،رزق کی وسعت، اور لذتوں کا ارادہ رکھتا ہے۔(فتح القدیر) (4) یعنی جو اس کی زینت کو طلب کرتا ہے۔(جامع البیان) (5) اس آیت کے

بارے میں مجاہد کا قول ہے۔وہ ریا کار ہیں۔(ترمذی:2386)**(6)** یعنی جس شخص کا بھی ارادہ، دنیاوی زندگی اوراس کی زیب وزینت ہی کے گرد گھومتا ہے، مثلاً عورتوں اور بیٹوں کے حصول کی خواہش، سونے اور چاندی کے خزانوں کی حرص، نشان زدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتیوں کی چاہت، اس نے اپنی رغبت، عمل اور کوشش کو صرف انہی چیزوں پر مرکوز کر رکھا ہے اور وہ آخرت کے گھر کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ایسا شخص کافر کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر وہ مومن ہوتا تو اس کا ایمان اسے اس بات سے روک دیتا کہ اس کا تمام ارادہ صرف دنیا ہی پر مرکوز رہے، بلکہ اس کا ایمان اور اس کے نیک اعمال، اس کے ارادہ آخرت ہی کے آثار ہیں۔مگر یہ کافر بدبخت تو گویا صرف دنیا ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔(تفسیر سعدی:1186/2)**(7)** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:''قیامت کے دن جس کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہوگا۔اسے لایا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی۔وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:''تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟''وہ کہے گا: ''میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔''اللہ تعالیٰ فرمائے گا:''تو نے جھوٹ کہا بلکہ تو تو اس لیے لڑتا رہا کہ تجھے بہادر کہا جائے اور تحقیق وہ کہا جاچکا۔''پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔دوسرا شخص وہ ہوگا جس نے علم حاصل کیا اور اسے لوگوں کو سکھایا اور قرآن کریم پڑھا۔اسے لایا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی۔وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:''تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟''وہ کہے گا:''میں نے علم حاصل کیا، پھر اسے دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن مجید پڑھا۔''اللہ تعالیٰ فرمائے گا:''تو نے جھوٹ کہا، تو نے علم اس لیے حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے سو یہ کہا جاچکا۔''پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔تیسرا وہ شخص ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نے وسعت کی تھی اور اسے ہر قسم کا مال عطا کیا تھا۔اسے بھی لایا جائے گا اور اسے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی۔وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:''تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟''وہ کہے گا:''میں نے تیرے ہر راستے میں جس میں مال خرچ کرنا تجھے پسند ہو، تیری رضا حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کیا۔''اللہ تعالیٰ فرمائے گا:''تو نے جھوٹ کہا بلکہ تو نے ایسا اس لیے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے سو وہ کہا جاچکا۔''پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(مسلم:4923)**(8)** ﴿ **نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا** ﴾ ''ہم ان کے اعمال کا اسی دنیا میں ہی انہیں پورا پورا بدلہ دے دیں گے''اللہ تعالیٰ دنیا کا ارادہ رکھنے والوں کو وہ سب کچھ دنیا میں ہی عطا کر دیتا ہے جو ان کے لیے لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے۔**(9)** ﴿ **وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ** ﴾ ''اور اسی دنیا میں ان سے کمی نہیں کی جائے گی''یعنی ان کے لیے جو اللہ تعالیٰ مقرر کر چکے ہیں اس میں کمی نہیں کی جاتی۔**(10)** سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ریا کاروں کو دنیا ہی میں نیکیوں کا صلہ مل جاتا ہے اور ان کے عملوں میں ذرہ بھر کمی نہیں کی جاتی۔

(مختصر ابن کثیر:821/1)**(11)** رب العزت کا فرمان ہے:﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴾ ''جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔''(الشوریٰ:20) **(12)** رب العزت کا فرمان ہے:﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴾ اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے اس کے لائق کوشش کی، جب کہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش ہمیشہ سے قابل قدر ہے۔ ان کو بھی اور ان کو بھی ہم آپ کے رب کی عطا سے مدد دیتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا کو کبھی روکا نہیں گیا۔(بنی اسرائیل:19,20)**(13)** سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی نیت اپنے اعمال میں طلب آخرت کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کے دل کو غنی کر دیتے ہیں اور اس کی ضروریات کو پورا فرما دیتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس شخص کی نیت طلب دنیا کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ محتاجی اس کے سامنے کر دیتے ہیں کہ اس کی حاجت کبھی پوری ہی نہیں ہوتی کیونکہ ہوس دنیا اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ ایک حاجت پوری ہونے سے پہلے دوسری حاجت سامنے آجاتی ہے اور بے شمار فکریں اس کو لگ جاتی ہیں اور ملتا صرف وہی ہے جو اللہ تعالی نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔(معارف القرآن)(مسند احمد)**(14)** سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی مومن کی ایک نیکی کے عوض میں بھی کمی نہ فرمائے گا۔ اس کی وجہ سے دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی دے گا لیکن کافر نے جو نیکیاں کیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا دھیان رکھا ان نیکیوں کے عوض اسے دنیا ہی میں دے دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جب آخرت میں پہنچے گا اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہوگی جس پر اسے ثواب دیا جائے۔(مسلم)(انوار البیان)**(15)** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دینار و درہم اور ریشمی چادر اور اونی کپڑوں کا بندہ ہلاک ہو گیا کہ اگر اسے یہ چیزیں ملیں تو خوش ہو جاتا ہے اور اگر نہیں ملتیں تو ناراض ہو جاتا ہے۔(بخاری:6435)**(16)** ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے نیچے کوئی بچھونا نہیں تھا اور آپ ﷺ کے جسم پر چٹائی کی بناوٹ کے نشان پڑ گئے تھے اور تکیہ بھی چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ دعا کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی امت کو مالی وسعت عطا فرما دے کیونکہ فارس روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے خطاب کے بیٹے تم ابھی تک ان ہی خیالات میں مبتلا ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مرغوب چیزیں انہیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کیا تم لوگ اس پر راضی نہیں ہو کہ مرغوب چیزیں ان کے لیے دنیا میں ہوں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں۔(بخاری، مشکوۃ)(17) یہ آیت کریمہ مسلمانوں کے لیے خطرہ کی گھنٹی بھی ہے کہ آدمی نیک

عمل کرتا ہے،لیکن اگراس میں اخلاص اورللّٰہیت نہیں ہے تو وہ قیامت کے دن اس کے لیے وبال جان بن جائے گا،اورجہنم اس کا ٹھکانا ہوگا۔(تیسیر الرحمٰن:638/1)

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ(16) ﴾

''یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اورانہوں نے جو کچھ دنیا میں بنایا وہ سب برباد ہوگیا اور باطل ہیں جو وہ عمل کرتے رہے تھے۔''(16)

سوال 1:﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ﴾''یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں''انسان کواس کے کئے کا بدلہ وہیں ملتا ہے جہاں کے لئے اس نے کوشش کی ہو۔جو دنیا کو اپنا مقصد بناتا ہے وہ آخرت کو اہمیت نہیں دیتا اس لئے اس کے عمل کی جزا دنیا میں ملے گی لیکن آخرت میں اس کا کوئی اجر نہ ملے گا۔(2) یعنی انہیں ثواب سے محروم کر دیا جائے گا،عذاب میں وقفہ نہیں ہوگا،وہ اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔

سوال2:﴿ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾''اورانہوں نے جو کچھ دنیا میں بنایا وہ سب برباد ہوگیا اور باطل ہیں جو وہ عمل کرتے رہے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اورانہوں نے جو کچھ دنیا میں بنایا وہ سب برباد ہوگیا اور باطل ہیں جو وہ عمل کرتے رہے تھے''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کا عمل جو اس نے دنیا کے لیے کیا تھا وہ وہیں رہ گیا اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔(ابن ابی حاتم :2013/6)(2)﴿ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾''اور باطل ہیں جو وہ عمل کرتے رہے تھے''یعنی وہ سب اعمال باطل اور مضمحل ہوجائیں گے جو وہ حق اوراہل حق کے خلاف سازشوں کے لئے کرتے رہے ہیں اور نیکی کے اعمال بھی باطل ہوجائیں گے جن کی کوئی اساس ہی نہیں اور ان کی قبولیت کی شرط بھی مفقود ہے اور وہ ہے ایمان۔(تفسیر سعدی:1187/2)(3) رب العزت کا فرمان ہے:﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۞ ﴾''جو شخص جلدی والی دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو اسے ہم اسی میں جلدی دیں گے جو ہم چاہیں گے،جس کے لیے ہم ارادہ کریں گے،پھراس کے لیے ہم نے جہنم بنا رکھی ہے،وہ مذمت کیا ہوا،دھتکارا ہوا اس میں داخل ہوگا۔''(بنی اسرائیل:18)(4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:دنیا آخرت کے سامنے اتنی ہی ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈالے اور دیکھے کہ اس میں کتنا پانی آتا ہے۔(جامع ترمذی:2323)(5) سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،رسول ﷺ نے

فرمایا: پھر تمہیں خوش خبری ہو تم اس کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے گی، اللہ کی قسم، فقر ومحتاجی وہ چیز نہیں ہے جس سے میں تمہارے متعلق ڈرتا ہوں بلکہ میں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر بھی اسی طرح کشادہ کر دی جائے گی، جس طرح ان لوگوں پر کر دی گئی تھی جو تم سے پہلے تھے اور تم بھی اس کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی اسی طرح کوشش کرو گے جس طرح وہ کرتے تھے اور تمہیں بھی اسی طرح غافل کر دے گی جس طرح ان کو غافل کیا تھا۔ (بخاری:6425)

﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ(17) ﴾

"تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو اور ایک گواہ اس کی طرف سے اس کی تائید کر رہا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی جو راہ نما اور رحمت تھی، یہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرے گا تو اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہیں، آپ کے رب کی طرف سے یقیناً یہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے"۔ (17)

سوال 1: ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ "تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو اور ایک گواہ اس کی طرف سے اس کی تائید کر رہا ہو" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ "تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو" اللہ رب العزت نے اپنے رسول اور اپنے دین کو قائم کرنے والے اہل یقین کے حالات بیان فرمائے ہیں۔ (2) قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ محمد ﷺ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہیں۔ (جامع البیان) (3) ﴿ وَيَتْلُوْهُ ﴾ "اور اس کی تائید کر رہا ہو" اور اس کے پیچھے ہے یعنی اس دلیل کے پیچھے ایک اور دلیل ہے۔ (4) ﴿ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ "ایک گواہ اس کی طرف سے" شاہد سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں اور اگر شخص سے مراد عام آدمی لیا جائے تو شاہد سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ (تیسیر القرآن: 339/2) (5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے کہ جانور کے پورے اعضاء والا جانور پیدا ہوتا ہے کیا تمہیں ان میں کوئی کٹے ہوئے عضو والا جانور معلوم ہوتا ہے پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم چاہو تو آیت ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾ پڑھ لو یعنی: "(اے لوگو!) اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت (دین اسلام) کو لازم کر لو۔ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔" (مسلم: 6755) (6) ﴿ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ اور وہ ہے

فطرت مستقیم، عقل سلیم اس شریعت کی حقانیت کی گواہی دیتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے نازل اور مشروع فرمایا اور بندہ اپنی عقل کے ذریعے سے اس کے حسن کو معلوم کرلیتا ہے پس اس کے ایمان میں اوراضافہ ہوجاتا ہے۔(تفسیر سعدی:1187/2)

سوال3:﴿ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾''اوراس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی جو راہ نما اور رحمت تھی، یہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى ﴾''اوراس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی''یعنی تورات۔(2)﴿ اِمَامًا ﴾''راہ نما''یعنی اس سے پہلے موسیٰ پر تورات تلاوت کی گئی جیسا کہ محمد ﷺ پر قرآن تلاوت کیا جارہا ہے۔(ابن ابی حاتم:2015/6)(3)﴿ وَّرَحْمَةً ﴾''اور رحمت''یعنی عظیم نعمت ہے۔(4)﴿ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾''یہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں''یعنی جن لوگوں کو دلائل قائم کرنے کی توفیق عطا کی گئی ہے۔﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾یعنی قرآن پر حقیقی ایمان رکھتے ہیں ان کے ایمان کے نتیجے میں انہیں دنیا وآخرت کی ہر بھلائی عطا ہوتی ہے۔(تفسیر سعدی:1187/2،1188)

سوال4:﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾''اور گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرے گا تو اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ ﴾''اور گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرے گا''یعنی جو اس قرآن کا اور نبی ﷺ کا اور ان کے دین کا انکار کرتا ہے۔(2)یعنی زمین کے سارے گروہ اور قبائل جو دین کا انکار کرتے ہیں آگ ان کا ٹھکانہ ہے اور وہ بہت ہی برا مقام ہے۔(ایسر التفاسیر:635)(3)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی بھی یہودی اور نصرانی جو میری بات سنے،(شریعت) جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں(یعنی اسلام) اور وہ اس پر ایمان نہ لائے تو اس کا ٹھکانہ جہنم والوں میں سے ہوگا۔''(مسلم:386)

سوال5:﴿ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾''چنانچہ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہیں، آپ کے رب کی طرف سے یقیناً یہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ﴾''چنانچہ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہیں'' آپ اس بارے میں ادنیٰ سے شک میں بھی مبتلا نہ ہونا۔(2) یہاں﴿ مِرْيَةٍ ﴾ سے مراد تنگ دلی ہے، گھٹن ہے جو دعوت سے منہ موڑنے والوں اور ان کی اذیتوں کی وجہ سے داعی کے دل میں پیدا ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ آپ اس شک اور گھٹن میں مبتلا نہ ہوجانا۔(3)﴿ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾''آپ کے رب کی طرف سے یقیناً یہ حق ہے''یعنی اے محمد ﷺ! آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو قرآن نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اس میں کوئی

شک نہیں۔(4)﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ’’لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے‘‘ اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں یا تو وہ جہالت کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے یا ظلم اور بغاوت کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں ہوتے۔(یوسف:103)(5)﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴾ یقیناً آپ کا رب ہی خوب جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے بھٹکتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ کو بھی خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام:117)(6)﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور بلاشبہ یقیناً ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا، تو اہل ایمان کے ایک گروہ کے سوا ان سب نے اس کا پیچھا کیا۔(سبا:20)

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ(18) ﴾

’’اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کوئی جھوٹ گھڑے؟ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ کہا تھا، سن لو! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔‘‘(18)

سوال1:﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ ’’اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کوئی جھوٹ گھڑے؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے یا نبوت کا دعویٰ کرے۔ (2)اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنے سے مراد اللہ تعالیٰ کے پیغام پر جھوٹ گھڑنا ہے۔

سوال2:﴿ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ’’یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ کہا تھا، سن لو! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ ﴾ ’’یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے‘‘ یعنی قیامت کے دن وہ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے تو وہ ان سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا تاکہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے۔(2)﴿ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ ﴾ ’’اور گواہ کہیں گے‘‘ یعنی فرشتے اور انبیاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔(جامع البیان)(3)﴿ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ﴾ ’’اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ کہا تھا‘‘ صفوان بن محرز نے بیان کیا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص (نام نامعلوم) آپ کے سامنے آیا اور پوچھا اے عبدالرحمٰن! یا یہ کہا کہ اے ابن عمر! کیا آپ نے

رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کے متعلق کچھ سنا ہے (جو اللہ تعالیٰ مومنین سے قیامت کے دن کرے گا۔) انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ مومن اپنے رب کے قریب لایا جائے گا اور ہشام نے یوں کہا کہ مومن اپنے پروردگار سے قریب ہوجائے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا ایک جانب اس پر رکھے گا اور اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا کہ فلاں گناہ تجھے یاد ہے؟ بندہ عرض کرے گا: یاد ہے میرے رب! مجھے یاد ہے دومرتبہ اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تمہارے گناہوں کو چھپائے رکھا اور آج بھی تمہاری مغفرت کروں گا پھر اس کی نیکیوں کا دفتر لپیٹ دیا جائے گا لیکن دوسرے لوگ یا (یہ کہا کہ) کفار تو ان کے متعلق محشر میں اعلان کیا جائے گا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا تھا۔ (صحیح بخاری:4685) **(6)** ﴿ **أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ** ﴾ ''سن لو! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے''یعنی وہ لعنت جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا، کیونکہ ظلم ان کا وصف لازم بن چکا ہے، جو تخفیف کے قابل نہیں۔ (تفسیر سعدی:1189/2)

﴿ **الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ** (19) ﴾

''جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو باز رکھتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے بھی ہیں۔'' (19)

سوال 1: ﴿ **الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ** ﴾ ''جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو باز رکھتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے بھی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ** ﴾ ''جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو باز رکھتے ہیں''یعنی جو لوگ ایمان، عبودیت کے اقرار اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت سے روکتے ہیں اور وہ مشرکین قریش ہیں۔ (جامع البیان) **(2)** جو لوگوں کو دین اسلام سے روکتے ہیں۔ (سمرقندی:148/2) **(3)** وہ لوگ جو خود بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ وہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلانے والے راہ نما بن گئے۔ **(4)** ﴿ **وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا** ﴾ ''اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں''یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے راستے کو حقیر قرار دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور باطل کی خوبیاں اور حق کی برائیاں بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل نہ پائیں۔ **(5)** ﴿ **وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ** ﴾ اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے بھی ہیں۔ وہ موت کے بعد کی زندگی کا انکار کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچا دینے والے راستے سے روکتے ہیں، جنت سے دور کرتے ہیں، علم کے راستے سے دور کرتے ہیں، اپنے لیے ٹیڑھا راستہ تلاش کرتے ہیں اور قیامت اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

﴿ **أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ** (20) ﴾

''وہ زمین میں بے بس کردینے والے نہ تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کے لیے کوئی مددگار ہیں، ان کے لیے دوگنا عذاب کیا جائے گا، وہ نہ سننے کی استطاعت رکھتے تھے اور نہ ہی وہ دیکھتے تھے۔'' (20)

سوال 1: ﴿ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ﴾ ''وہ زمین میں بے بس کردینے والے نہ تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کے لیے کوئی مددگار ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ﴾ ''وہ زمین میں بے بس کردینے والے نہ تھے'' یعنی تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اور اللہ رب العزت کو ہی کائنات میں پورا اختیار حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ وہ دنیا میں بھی انہیں عذاب دے سکتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴾ ''اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اس حالت میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے ان کی نگاہ ان کی اپنی جانب ہی نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔ (ابراہیم:42، 43) (3) نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب اسے پکڑتا ہے پھر نہیں چھوڑتا۔ (بخاری، مسلم) (4) ﴿ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ﴾ ''اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کے لیے کوئی مددگار ہیں'' یعنی انہیں اللہ تعالیٰ سے چھڑانے والا کوئی نہ ہوگا۔

سوال 2: ﴿ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴾ ''ان کے لیے دوگنا عذاب کیا جائے گا، وہ نہ سننے کی استطاعت رکھتے تھے اور نہ ہی وہ دیکھتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ﴾ ''ان کے لیے دوگنا عذاب کیا جائے گا'' یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے اس کے بدلے جو وہ فساد کیا کرتے تھے۔ (النحل:88) (2) ﴿ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ ﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''آگ میں داخل ہوجاؤ جنوں اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکے۔'' جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی وہ اپنی ساتھی جماعت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب وہ سب اس میں آ ملیں گی تو ان کی پچھلی اپنے سے پہلی جماعت کے بارے میں کہے گی: ''اے ہمارے رب! یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا چنانچہ آپ انہیں آگ کا دوگنا عذاب دیں'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''ہر ایک کے لئے دوگنا ہے اور لیکن تم نہیں جانتے۔'' (الاعراف:38)

(3)﴿ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴾ ’’وہ نہ سننے کی استطاعت رکھتے تھے اور نہ ہی وہ دیکھتے تھے‘‘ انہیں حق سنایا جاتا تھا مگر وہ سنتے نہیں تھے، وہ حق کہنے سے گونگے، حق دیکھنے سے اندھے بنے رہے، اب نہ وہ دیکھتے ہیں، نہ اس سے نفع اٹھاتے ہیں، وہ حق سے نفرت کی وجہ سے حق کو سن نہیں سکتے تھے۔(4) اللہ تعالیٰ نے انہیں کان، آنکھیں اور دل دیے تھے لیکن انہوں نے ان قوتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جب انہیں جہنم میں دھکیلا جائے گا تو وہ کہیں گے۔﴿ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾ اور وہ کہیں گے: ’’اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو آج ہم بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے۔(الملک:10)

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (21) ﴾

’’یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا اور وہ سب کچھ ان سے کھو گیا جو وہ جھوٹ گھڑا کرتے تھے۔‘‘(21)

سوال 1: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ’’یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا اور وہ سب کچھ ان سے کھو گیا جو وہ جھوٹ گھڑا کرتے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ’’یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا‘‘ یعنی انہوں نے اپنے نفس کا غبن کیا ہے۔(الدر منثور)(2) وہ سب سے بڑے ثواب سے محروم ہو گئے اور شدید ترین عذاب کے مستحق قرار پائے۔(تفسیر سعدی:1190/2) (3) انسان اپنی دنیا ضائع کر دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو معزز بنایا، اس کو عزت اور وقار اللہ تعالیٰ کے نظام ’’اسلام‘‘ کی وجہ سے مل سکتا ہے۔انسان نے جب اللہ تعالیٰ کے نظام کو سمجھنے کی کوشش نہ کی، اسے نہ اپنایا تو خود کو جان بوجھ کر خسارے میں ڈال دیا۔(4) انسان اندھا بہرا بن کر اپنی آخرت گنوا دیتا ہے، آخرت میں عذاب ہی اس کا انتظار کرتا ہے اور یہی بڑا خسارہ ہے۔(5)﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ’’اور وہ سب کچھ ان سے کھو گیا جو وہ جھوٹ گھڑا کرتے تھے‘‘ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو کچھ دنیا میں وہ جھٹلاتے رہے وہ ان سے گم ہو جائے گا۔(ابن ابی حاتم:2019/6)(6) یعنی ان کا وہ دین، جس کی طرف یہ لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے اور جس کی یہ تحسین کیا کرتے تھے، مٹ گیا اور جب آپ کے رب کا حکم آ گیا، تو ان کے وہ جھوٹے خدا ان کے کسی کام نہ آئے جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔(تفسیر سعدی:1190/2)(6) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ان چیزوں میں بھی انہیں قدرت دے رکھی تھی جس میں ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کے کان، آنکھیں اور دل بنائے تھے چنانچہ نہ ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل ہی ان کے کسی کام آئے جب وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر رہے تھے اور انہیں اسی (عذاب) نے آ گھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔(الاحقاف:26)

﴿ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ(22) ﴾

''کوئی شک نہیں یہی لوگ آخرت میں بلاشبہ سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہوں گے۔''(22)

سوال: ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴾ ''کوئی شک نہیں یہی لوگ آخرت میں بلاشبہ سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ لَا جَرَمَ ﴾ ''کوئی شک نہیں''یعنی یہی حق سچ ہے۔(2) ﴿ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴾ ''یہی لوگ آخرت میں بلاشبہ سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہوں گے''اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامت کے دن وہ سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔ان کے لیے جنت کے بدلے جہنم کی آگ ہوگی، جنت کی بہاروں کے بدلے میں کھولتا ہوا پانی، جنت کی نعمتوں کے بدلے میں کچ لہو، اور پیپ ہوگی۔جنت کے محلات کے بدلے میں جہنم کے تنگ وتاریک مقامات ہوں گے۔اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بدلے میں سزا کے حق دار ہوں گے۔اس سے بڑھ کر خسارے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ(23) ﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں اور اپنے رب کی طرف عاجزی اختیار کی ہے یہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''(23)

سوال: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں اور اپنے رب کی طرف عاجزی اختیار کی ہے یہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہیں''یعنی جو لوگ دل کے یقین کے ساتھ ایمان لائے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے دین کے اصول اور احکامات بتائے تو انہوں نے اعتراف کیا۔(2) ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں''اور نیک عمل کیے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیے۔(3) ﴿ وَاَخْبَتُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ ﴾ ''اور اپنے رب کی طرف عاجزی اختیار کی ہے''اخبات خضوع اور تواضع کو کہتے ہیں۔(ابن ابی حاتم:2020/6)(4) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظیم ہستی اور عظیم قدرت کے سامنے عاجزی اختیار کی۔(5) جو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو خشوع وخضوع سے اس کی اطاعت کرتے ہیں، جو اسی سے امید باندھتے ہیں، اسی سے محبت کرتے ہیں اور اسی کو امیدوں کا مرکز بناتے ہیں۔(6) ﴿ اُولٰٓىِٕكَ ﴾ ''یہی لوگ''یعنی جن کی یہ صفات ہیں۔(7) ﴿ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''یہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔

(8) کیونکہ بھلائی کا کوئی ایسا مقصد نہیں جو انہوں نے حاصل نہ کیا اور کوئی ایسی منزل نہیں جس کی طرف انہوں نے سبقت نہ کی ہو۔ (تفسیر سعدی:2/1190،1191)(9) وہ ایسی جنتوں کے وارث ہوں گے جہاں اونچے محلات، سجے ہوئے تخت، پھلوں سے جھکے ہوئے درخت، حسین وجمیل بیویاں، قسم قسم کے کھانے اور مشروبات ہوں گے اور سب سے بڑھ کر رب کا دیدار ہوگا۔(10)﴿ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے، نہ انہیں موت آئے گی، نہ بڑھاپا، نہ بیماری، نہ نیند، وہ خوشبوؤں میں بسائے جائیں گے۔(الاساس فی التفسیر)

﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (24) ﴾

''ان دونوں گروہوں کی مثال اندھے اور بہرے کی طرح اور دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے، کیا دونوں مثال میں یکساں ہوسکتے ہیں؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''(24)

سوال:﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ''ان دونوں گروہوں کی مثال اندھے اور بہرے کی طرح اور دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے، کیا دونوں مثال میں یکساں ہوسکتے ہیں؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ ﴾ ''ان دونوں گروہوں کی مثال'' خوش نصیبوں اور بدنصیبوں کی مثال۔(2)﴿ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ ﴾ ''اندھے اور بہرے کی طرح'' یعنی وہ بدنصیب ہیں۔ کافر کی مثال اندھے اور گونگے کی ہے۔(3)﴿ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ﴾ ''اور دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے'' یعنی خوش نصیبوں کی مثال دیکھنے اور سننے والے کی ہے، یہ مومن کی مثال ہے۔(4) کافر دنیا میں حق دیکھنے کے لیے اندھے تھے، آخرت میں بھی اندھے ہی اٹھیں گے، کافر دنیا میں حق کو سننے سے بہرا ہو جاتا ہے، آخرت میں بھی سن نہیں سکیں گے۔(5) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو وہ ضرور انہیں سنوا تا اور اگر وہ انہیں سنوا دیتا تو بھی وہ ضرور منہ پھیر جاتے اس حال میں کہ وہ بے رخی کرنے والے ہوتے۔(الانفال:23)

(6) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۙ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی۔ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ اور نہ زندہ اور نہ مردہ برابر ہوسکتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سناتا ہے اور آپ ان کو ہرگز نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔(فاطر:22-19)(7)﴿ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴾ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہوسکتے، جنت میں جانے والے ہی کامیاب ہیں۔(الحشر:20)(8)﴿ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ﴾ ''کیا دونوں مثال میں یکساں

ہو سکتے ہیں''یعنی دونوں مثال میں برابر نہیں۔(9)﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾''تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''کیا تم غور وفکر نہیں کرتے کہہ کر توجہ دلائی ہے کہ تم اپنی زندگی کے حالات پر غور کر کے اپنے لیے اچھی راہ کا انتخاب کیوں نہیں کرتے۔(10)یعنی ایسے اعمال جو آپ کو فائدہ دیں انہیں انجام دو اور ایسے اعمال جو آپ کے لیے نقصان دہ ہیں انہیں چھوڑ دو۔

رکوع نمبر:3

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ(25) ﴾

''اور ہم نے نوح کو اس کی قوم میں بھیجا،''یقیناً میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔''(25)

سوال 1:﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾''اور ہم نے نوح کو اس کی قوم میں بھیجا،''یقیناً میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)یہ قصہ نوح کا آغاز ہے اور یہ سورت ہود میں آنے والے پانچ قصوں میں سے ایک ہے۔(ایسر التفاسیر:638)(2)قریش نے رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں پہنچانے کی حد کر دی تو انسانی تاریخ میں انبیاء کی دعوت،قوم کی تکذیب پھر مؤمن کی نجات اور کافروں کی ہلاکت سے واضح کیا گیا ہے کہ آج کی تکذیب اور آج کا تشدد نیا نہیں ہے نوح علیہ السلام کے دور سے یہی حالات چلے آرہے ہیں۔(3)﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ﴾''اور ہم نے نوح کو اس کی قوم میں بھیجا''نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں جو دنیا میں لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔نوح علیہ السلام عبد شکور تھے۔کہا جاتا ہے کہ ان کی قوم کے کفر وشرک اور شر وفساد سے زمین بھر گئی تھی۔(تیسیر الرحمن:640)(4)﴿ اِلٰى قَوْمِهٖٓ ﴾''اس کی قوم میں''جن لوگوں کی طرف نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا وہ انہیں رب کی طرف بلاتے تھے اور انہیں شرک سے روکتے تھے۔(5)﴿ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾''یقیناً میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں''سیدنا نوح علیہ السلام عمر بھر بت پرستوں کو سمجھاتے رہے۔انہوں نے یہی کہا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تباہ کن عذاب سے ڈراتا ہوں۔اگر تم شرک نہیں چھوڑو گے تو ایسا عذاب آئے گا جو تمہاری نسلوں کو برباد کر دے گا۔(6)یعنی میں نذیر ہوں ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرتا ہوں۔(7)میں تمہیں تمہارے کفر پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں لہٰذا ایمان لاؤ اور اس کے احکامات کی اطاعت کرو۔(جامع البیان)

﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ(26) ﴾

''کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو،بلاشبہ میں تم پر ایک دردناک عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں۔''(26)

سوال:﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴾''کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو،بلاشبہ میں تم

پر ایک دردناک عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ''کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو'' یعنی تم اپنی عبادت کو ایک اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرو، دوسرے معبودوں کی عبادت کو چھوڑ دو۔(2)﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴾ ''بلاشبہ میں تم پر ایک دردناک عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں'' یعنی اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے جس نے تمہیں پیدا کیا جو تمہیں کھلاتا اور پلاتا ہے تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔اس دن عذاب تمہیں گھیرے میں لے کر برباد کردے گا۔(3) رب العزت نے فرمایا:﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ ﴾ بلاشبہ یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا:''اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، یقیناً میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔'' (الاعراف:59)

﴿ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ (27) ﴾

''تو اس کی قوم میں سے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا:'' ہم تمہیں اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ سطحی رائے رکھنے والے ہمارے کم ترین افراد کے علاوہ کسی نے بھی تیری پیروی کی ہو اور ہم نہیں دیکھتے اپنے آپ پر تمہاری کوئی برتری بلکہ ہم تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔'' (27)

سوال 1:﴿ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ﴾ ''تو اس کی قوم میں سے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا:'' ہم تمہیں اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ﴾ ''تو اس کی قوم میں سے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا'' سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے ان کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے کہا۔(2)﴿ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ﴾ ''ہم تمہیں اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں'' سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت سن کر کافر سرداروں نے کہا: آپ تو ہم جیسے ہیں فرشتہ نہیں۔ہمیں چھوڑ کر آپ کے پاس وحی آئے۔اس کے بارے میں ہماری سمجھ کام نہیں کرتی۔(3) بشر کے علاوہ رسول کا کچھ اور ہونا مناسب ہی نہیں، کیونکہ انسان ہی سے انسان علم حاصل کرسکتا ہے اور اپنے ہر معاملے میں وہ صرف انسان کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اس کے برعکس وہ فرشتوں سے سیکھ سکتا ہے نہ ان کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1194/2)

سوال 2:﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ﴾ ''اور ہم نہیں دیکھتے کہ سطحی رائے رکھنے والے ہمارے کم ترین

افراد کے علاوہ کسی نے بھی تیری پیروی کی ہو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ﴾’’اور ہم نہیں دیکھتے کہ ہمارے کم ترین افراد کے علاوہ کسی نے بھی تیری پیروی کی ہو‘‘یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں صرف ان لوگوں نے آپ کی پیروی کی ہے جو ذلیل اور گھٹیا ہیں۔(2) نبی پر سب سے پہلے وہ لوگ ایمان لانے والے ہوتے ہیں جو معاشرہ کے ہاتھوں ستم رسیدہ ہوں، غریب ہوں، نوجوان اور باہمت ہوں اور جو ایسے ظالم معاشرے کے سامنے ڈٹ جانے کی جرأت رکھتے ہوں ایسے ہی لوگ ہر نبی کا ابتدائی سرمایہ ہوتے ہیں۔(تیسیر القرآن:343/2)(3) حالانکہ وہ درحقیت، اشراف اور عقل مند لوگ تھے یہ وہ لوگ تھے جو حق کے سامنے سرافگندہ ہوگئے تھے، یہ وہ رذیل لوگ نہ تھے جن کو اشرافیہ کہا جاتا تھا جو ہر سرکش شیطان کے پیچھے لگ جاتے تھے جنہوں نے پتھروں اور درختوں کو اپنا معبود بنا رکھا تھا۔جن کا یہ لوگ تقرب حاصل کرتے تھے اور جن کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔کیا آپ ان سے زیادہ رذیل اور ان سے بڑھ کر خسیس کہیں اور دیکھ سکتے ہیں؟(تفسیر سعدی:1194/2)(4) رب العزت نے اسی رویے کی وضاحت ایک اور مقام پر فرمائی۔﴿ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ؁ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؁ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ؁ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؁ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ؁ ﴾ انہوں نے کہا:’’ کیا ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیرے پیچھے وہ لوگ چلے ہیں جو سب سے ذلیل ہیں‘‘نوح نے کہا:’’ اور مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں؟ ان کا حساب میرے رب ہی کے ذمہ ہے، کاش تم سمجھتے! اور میں ایمان والوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں۔ میں تو صرف کھلا ڈرانے والا ہوں‘‘ انہوں نے کہا:’’ اے نوح! یقیناً اگر تم باز نہیں آؤ گے تو یقیناً ضرور تم سنگسار کیے گئے لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔‘‘ (الشعراء:111۔115)(5) حافظ ابن کثیر نے ان شبہات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ باتیں قوم نوح کی جہالت اور کم عقلی کی دلیل تھیں۔اس لیے کہ حق، حق ہوتا ہے، چاہے اس کی اتباع شرفائے قوم کریں یا غریب لوگ کریں۔(ابن کثیر:474/2)(6)﴿ بَادِيَ الرَّاْيِ ﴾’’سطحی رائے رکھنے والے‘‘یعنی آپ کے ماننے والے موٹی عقل کے لوگ ہیں، سوچ سمجھ کر فیصلے نہیں کرتے، بے سوچے سمجھے تیری دعوت پر تیری پیروی کرتے ہیں۔یعنی وہ لوگ آپ پر ایمان لاتے ہیں جو بصیرت سے محروم ہیں۔حق کی دعوت پر لبیک کہنے والے برباد ہوتے ہیں، دولت مند تو اس سے بھاگتے ہیں، پھر اس کی مخالفت میں اپنی پوری قوتیں صرف کر ڈالتے ہیں۔(7) ہرقل نے نبی ﷺ کے بارے میں ابوسفیان سے کچھ سوالات پوچھے تھے جن میں یہ سوال بھی تھا کہ ان کے جاننے والے غرباء یا اونچے طبقے کے لوگ ہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا تھا کمزور لوگ، تو ہرقل نے کہا: کمزور لوگ ہی انبیاء کے پیروکار ہوتے ہیں۔(بخاری:3)

سوال 3:﴿ وَمَا نَرٰي لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴾’’اور ہم نہیں دیکھتے اپنے آپ پر تمہاری کوئی برتری بلکہ ہم تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَمَا نَرٰي لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾’’اور ہم نہیں دیکھتے اپنے آپ پر تمہاری کوئی برتری‘‘ ہمارے خیال میں تمہیں ہمارے مقابلے

میں کوئی فضیلت نہیں کہ ہم آپ کی فرماں برداری کریں۔(2)﴿ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴾'' بلکہ ہم تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں'' ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔(3)انہوں نے اس بارے میں جھوٹ بولا تھا، کیونکہ وہ ایسی نشانیاں اور معجزات دیکھ چکے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی تائید کے لیے نازل فرمایا تھا، جو آپ کی صداقت پر انہیں قطعی یقین فراہم کرتی تھیں۔(تفسیر سعدی:2/1195)(4)اگر حق واضح ہو، اور دل کا آئینہ روشن ہو، تو آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی شک میں نہیں پڑتا اور حق کو فوراً قبول کر لیتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی رسالت کا اعلان کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی توقف کے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور اسلام میں داخل ہو گئے۔(تیسیر الرحمٰن:641)

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ (28) ﴾

''اس نے کہا:''اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر قائم ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت عطا کر دی پھر تم پر وہ اوجھل رکھی گئی تو کیا ہم اسے زبردستی تم پر لازم کر دیں گے؟ جب کہ تم اسے ناپسند کرنے والے ہو؟''(28)

سوال:﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴾ ''اس نے کہا:''اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر قائم ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت عطا کر دی پھر تم پر وہ اوجھل رکھی گئی تو کیا ہم اسے زبردستی تم پر لازم کر دیں گے؟ جب کہ تم سے ناپسند کرنے والے ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ﴾'' اس نے کہا:''اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر قائم ہوں'' سیدنا نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ واضح دلیل، سچی نبوت اور یقین تو میرے رب کی رحمت کے طور پر میرے پاس آ چکی۔(2)﴿ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ ﴾''اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت عطا کر دی'' یعنی اس نے اپنی رحمت سے میری جانب وحی بھیجی اور مجھے اپنا رسول منتخب کیا اور مجھے ہدایت دی۔(3)﴿ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ﴾''پھر تم پر وہ اوجھل رکھی گئی''، یعنی تم سے حقیقت کو چھپا لیا گیا اس لیے تم نے اسے نہیں پہچانا اور بے سوچے سمجھے مخالفت پر اتر آئے۔(4)﴿ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا ﴾''تو کیا ہم اسے زبردستی تم پر لازم کر دیں گے؟'' کیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو زبردستی تمہارے سر چڑھا دوں۔(5)﴿ وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴾''جب کہ تم سے ناپسند کرنے والے ہو؟''یعنی جب تم حق سے بے زار ہو، اسے جھٹلانے کی حرص رکھتے ہو تو میں زبردستی تمہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصے دار نہیں بنا سکتا۔ہاں تمہارے ٹھکرانے سے نہ ہمارے یقین میں کمی آئے گی نہ آپ لوگوں کے الزامات ہمیں حق کے راستے سے ہٹا سکتے ہیں۔

﴿ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ

﴿ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ(29) ﴾

''اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی مال بھی نہیں مانگتا ہوں میرا اجر تو بس اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور میں ان کو قطعاً دور کرنے والا نہیں ہوں جو ایمان لائے، بلاشبہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برتتے ہو'' (29)

سوال 1: ﴿ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی مال بھی نہیں مانگتا ہوں میرا اجر تو بس اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ﴾ ''اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی مال بھی نہیں مانگتا ہوں'' سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ میں تمہاری نجات کے لیے جو دکھ اٹھا رہا ہوں اور مصائب برداشت کر رہا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہوں اس پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگ رہا۔ میں تم سے خیر خواہی کرنے پر مال نہیں مانگ رہا۔ (2) ﴿ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''میرا اجر تو بس اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے'' میری دعوت کا صلہ، میری پریشانیوں اور خیر خواہیوں کا صلہ تو میرے رب کے ذمہ ہے۔ میرا تو ایک ہی مطالبہ ہے کہ تم حق قبول کر لو۔

سوال 2: ﴿ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴾ ''اور میں ان کو قطعاً دور کرنے والا نہیں ہوں جو ایمان لائے، بلاشبہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برتتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''اور میں ان کو قطعاً دور کرنے والا نہیں ہوں'' تمہارا یہ مطالبہ ظلم پر مبنی ہے کہ میں غریب مسلمانوں کو ہٹا دوں۔ میرے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ میں انہیں دھتکار دوں۔ (2) سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم چھ آدمی نبی ﷺ کے ساتھ تھے تو مشرک لوگوں نے نبی ﷺ سے کہا: آپ ﷺ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیں تو یہ ہم پر جرأت نہیں کر سکیں گے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ان لوگوں میں) میں اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ہذیل کا ایک آدمی اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور دو آدمی جن کا نام میں نہیں جانتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کے دل میں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا واقع ہوا اور آپ ﷺ نے اپنے دل میں ہی باتیں کیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝۲۸ ﴾ ''آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی نگاہیں ان سے آگے نہ بڑھیں، آپ دنیا کی

زندگی کی زینت چاہتے ہیں اور آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔'' (مسلم:6241) (3)﴿ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ '' بلا شبہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں''، یعنی وہ تو ایسے لوگ ہیں جنہیں ان کے ایمان اور تقویٰ کی وجہ سے نعمت بھری جنتیں عطا ہونے والی ہیں، جہاں وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔(4) ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مقام بلند ہو گیا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو مجھ سے جھگڑیں گے کہ اے رب! انہوں نے ہمیں اپنی مجلس سے نکال دیا تھا۔(تیسیر الرحمن:642) (5)﴿ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴾ '' لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برتتے ہو''، میری رائے میں تم نادان ہو اس لیے کہ تم نے حق کو جھٹلایا ہے اور اولیاء اللہ نے حق کی اتباع کی ہے جنہیں تم مجھ سے دور کرنا چاہتے ہو۔(6) حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ نہایت ہی نادان ہو، جبھی تو سوچتے ہو کہ اگر ایمان لے آؤ گے تو ہمارے کمزور و ضعیف پیروکاروں کے برابر ہو جاؤ گے۔(تیسیر الرحمن:642)

﴿ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ(30) ﴾

'' اور اے میری قوم! اگر میں ان کو دور ہٹا دوں تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''(30)

سوال:﴿ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ '' اور اے میری قوم! اگر میں ان کو دور ہٹا دوں تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ﴾ '' اور اے میری قوم! اگر میں ان کو دور ہٹا دوں تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا''، یعنی اگر میں ان کمزور لوگوں کو جنہیں تم مجھ سے دور کرنا چاہتے ہو ان کو دھتکاروں تو مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچائے گا؟ یقیناً ان کا دھتکارنا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا باعث بننے والا ہے۔(2) جو لوگ ایمان لے آتے ہیں وہ ربّ کی حفاظت میں چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کمزوروں کا بھی والی ہے وہ کمزوروں کا بھی ربّ ہے وہ اپنے ولیوں کی حفاظت کرتا ہے اور ان کے خلاف اٹھنے والے ہاتھوں کو برداشت نہیں کرتا۔(3) اللہ رب العزت نے نابینا صحابی کلثوم ابن امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے آنے پر رسول ﷺ کے طرزِ عمل پر آپ ﷺ پر عتاب فرمایا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ ربّ العزت نے فرمایا:﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى ۙ﴿۳﴾ ﴾ اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیرلیا۔ کہ اس کے پاس ایک اندھا آیا۔ اور آپ کو کیا چیز معلوم کرواتی شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔(عبس:1۔3) (3)﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ '' تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' تم ایسی نصیحت سے نفع کیوں نہیں حاصل کرتے جو تمہارے لئے نفع مند ہے۔

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (31) ﴾

''اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور میں غیب بھی نہیں جانتا اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جنہیں تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں قطعاً کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ ہی اس کو زیادہ جاننے والا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ بلاشبہ اس وقت تو میں یقیناً ظالموں میں سے ہوں گا۔''(31)

سوال 1: ﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ﴾ ''اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور میں غیب بھی نہیں جانتا اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جنہیں تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں قطعاً کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ ﴾ ''اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں'' یعنی میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اس کا رسول ہوں، اس کی طرف بلاتا ہوں۔ میں تمہیں توحید کی دعوت دیتا ہوں، میں تمہیں بشارتیں دیتا ہوں اور برے انجام سے ڈراتا ہوں۔ میرا کام اخلاص سے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے، میرا مقصد تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے مال جمع کرنا نہیں۔ **(2)** میرے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں، نہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ جس کو چاہوں عطا کروں اور جس کو چاہوں محروم کر دوں۔ **(3)** ﴿ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ ''اور میں غیب بھی نہیں جانتا'' نہ میں غیب جانتا ہوں کہ تمہارے دل کے راز تم پر کھول دوں۔ **(4)** رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ١٨٨ ﴾ آپ کہہ دیں: ''میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں ضرور بھلائیوں میں سے بہت زیادہ حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف تک نہ چھوتی، نہیں ہوں میں مگر ایک ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔'' (الاعراف:188) **(5)** ﴿ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ ﴾ ''اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں'' یعنی میں ایک انسان ہوں اپنے مقام سے بڑھ کر دعویٰ نہیں کرتا۔ **(6)** جب میں خود ایسے دعوے نہیں کرتا تو پھر میرے اندر ان صفات کے مفقود ہونے پر میری نبوت کا کیوں انکار کرتے ہو؟ (تیسیر الرحمٰن:642) **(7)** ﴿ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ﴾ ''اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جنہیں تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

انہیں قطعاً کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا'' اورغریب اہل ایمان جن کو تم نیچ سمجھتے ہو میں ان کے بارے میں ہرگز یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ انھیں ان کی قربانیوں کا صلہ نہیں دے گا۔

سوال2:﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾'' اللہ تعالیٰ ہی اس کو زیادہ جاننے والا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ بلاشبہ اس وقت تو میں یقیناً ظالموں میں سے ہوں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾'' اللہ تعالیٰ ہی اس کو زیادہ جاننے والا ہے جو ان کے دلوں میں ہے'' مجھے تو ان کے ظاہری حالات کا علم ہے، اللہ تعالیٰ ان کے باطن کو خوب جاننے والا ہے۔ اگر وہ اپنے ایمان میں سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں ضرور ثواب عطا فرمائے گا اور اگر وہ اپنے ایمان کے دعوے میں سچے نہیں تو ان کا معاملہ رب کے ذمہ ہے۔ **(2)**﴿ اِنِّيْٓ اِذًا ﴾'' بلاشبہ اس وقت تو میں یقیناً'' یعنی اگر میں نے ان کے بارے میں کچھ کہا۔ **(3)**﴿ لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾'' ظالموں میں سے ہوں گا'' اگر میں ایسا کہوں گا تو میں ان کے حق میں ظالم ہوں گا اس لیے کہ میں نے ان کی قدر و منزلت نہیں پہچانی اور ان کی شان کے خلاف بات کی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت کے آخری حصے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں نے غریب مسلمانوں کی تحقیر کر کے ظلم و تعدی کا ارتکاب کیا تھا۔ (تیسیر الرحمٰن: 643) **(4)** اس طرح سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے غریب لوگوں کو دور کر دینے کا مطالبہ کرنے والوں کو مایوس کر دیا کہ ان کو اپنے سے دور کر دیں۔ **(5)** سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام عادل تھے، انہوں نے اپنی قوم کو ایسے طریقے سے سمجھایا جو کسی بھی غیر متعصب انسان کو حق سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے۔

﴿ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (32) ﴾

'' انہوں نے کہا: '' اے نوح! یقیناً تم نے ہم سے جھگڑا کیا ہے پھر تم نے ہم سے بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے چنانچہ وہ لے ہی آؤ جس کا تم ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر تم سچوں میں سے ہو۔'' (32)

سوال:﴿ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾'' انہوں نے کہا: '' اے نوح! یقیناً تم نے ہم سے جھگڑا کیا ہے پھر تم نے ہم سے بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے چنانچہ وہ لے ہی آؤ جس کا تم ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر تم سچوں میں سے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالُوْا ﴾'' انہوں نے کہا:'' قوم نوح کے پاس جب اپنے کفر پر قائم رہنے کے لیے کوئی دلیل نہ رہی تو انہوں نے کہا۔ **(2)**﴿ يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا ﴾'' اے نوح! یقیناً تم نے ہم سے جھگڑا کیا ہے پھر تم نے ہم سے بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے'' قوم نوح نے ان سے کہا کہ ہم نے آپ کے دلائل بہت سن لیے آپ جھگڑالو ہیں۔ (نعوذ باللہ) **(3)** نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی قوم کتنی ظالم تھی جنہوں نے ان کی خیر خواہی کو جھگڑا قرار دیا۔ وہ اپنی بات میں جھوٹے تھے۔ ایک نبی کی توہین کرنے والے تھے۔ انہوں نے بغیر کسی دلیل کے سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی

دعوت کو رد کر دیا۔ ﴿فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ ''چنانچہ وہ لے ہی آؤ جس کا تم ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر تم سچوں میں سے ہو'' قوم نوح علیہ السلام نے کہا: ہمارا مشترکہ فیصلہ یہی ہے کہ آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے ہمیں ڈراتے تھے وہ ہم پر نازل کر دیں۔

﴿قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ(33)﴾

''نوح نے کہا: ''درحقیقت اسے تو تم پر اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں ہو۔'' (33)

سوال: ﴿قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ﴾ ''نوح نے کہا: ''درحقیقت اسے تو تم پر اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ﴾ ''نوح نے کہا: ''درحقیقت اسے تو تم پر اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا'' سیدنا نوح علیہ السلام نے وضاحت فرمائی کہ عذاب لانا تو اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے میرے ہاتھ میں اس کا کوئی اختیار نہیں، اس کی مشیت کا تقاضا ہوا تو وہ صبح وشام تم پر عذاب بھیجے گا۔ (2) ﴿وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ﴾ ''اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں ہو'' اور اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

﴿وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ(34)﴾

''اور اگر میں ارادہ کروں کہ میں تمہیں نصیحت کروں تو بھی میری نصیحت تمہیں فائدہ نہیں دے گی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہی تمہارا رب ہے اور اس کی طرف تم واپس لوٹائے جاؤ گے۔'' (34)

سوال 1: ﴿وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ﴾ ''اور اگر میں ارادہ کروں کہ میں تمہیں نصیحت کروں تو بھی میری نصیحت تمہیں فائدہ نہیں دے گی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ﴾ ''اور اگر میں ارادہ کروں کہ میں تمہیں نصیحت کروں تو بھی میری نصیحت تمہیں فائدہ نہیں دے گی'' میری نصیحت تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ میں جو نصیحت بھی کروں گا تمہیں سمجھ نہیں آئے گی، میری خیر خواہی سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا میں چاہوں بھی تو میری نصیحت تم پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ (2) ﴿إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو'' اللہ تعالیٰ کا ارادہ غالب ہے اگر وہ تمہیں گمراہ کر کے برباد کرنا چاہے تو میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ مالک ومختار ہے اسی کے ہاتھ میں ہدایت ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ یقیناً آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔ (القصص:56) (4) ﴿مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ جس کو

اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اس کو راستہ دکھانے والا کوئی نہیں اور انہیں وہ سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔(الاعراف:186)

سوال2: ﴿ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ ''وہی تمہارا رب ہے اور اس کی طرف تم واپس لوٹائے جاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ هُوَ رَبُّكُمْ ﴾ ''وہی تمہارا رب ہے'' وہ تمہارے معاملات پر غالب ہے جو چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔(الاساس:2556/5) (2)﴿ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ ''اور اس کی طرف تم واپس لوٹائے جاؤ گے'' ہر شخص کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ۔وہ سب کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ ﴾

''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے گھڑ لیا ہے اسے؟ آپ کہہ دیں اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرا جرم مجھ ہی پر ہے اور جو جرم تم کرتے ہو اُس سے میں بے تعلق ہوں۔''(35)

سوال1: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ﴾ ''یا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس نے گھڑ لیا ہے اسے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ﴾ ''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے گھڑ لیا ہے اسے؟'' یعنی کیا وہ لوگ کہتے ہیں نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کی ہے یعنی یہ کہا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔(2) اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر کا مرجع نبی اکرم ﷺ ہوں اس صورت میں یہ آیت کریمہ، سیدنا نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصہ کے اثنا میں، جملہ معترضہ کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کا تعلق ایسے امور سے ہے جنہیں انبیاء کے سوا کوئی نہیں جانتا۔جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے سامنے سیدنا نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا شروع کیا اور یہ قصہ ان نشانیوں میں سے تھا جو آپ ﷺ کی صداقت اور رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔یعنی قرآن کو محمد ﷺ نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔(تفسیر سعدی:1198/2، 1199)

سوال2: ﴿ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ ﴾ ''آپ کہہ دیں اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرا جرم مجھ ہی پر ہے اور جو جرم تم کرتے ہو اس سے میں بے تعلق ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ ﴾ ''آپ کہہ دیں اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرا جرم مجھ ہی پر ہے'' یعنی میرا جرم، میرا گناہ میرے ذمے ہے تم اس سے بری ہو۔(2) یعنی ہر شخص کا بوجھ اسی پر ہے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ﴾ آپ کہہ دیں:''کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے؟'' اور کوئی جان نہیں کماتی (گناہ) مگر اسی پر ہے (وبال) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی، پھر تمہارے رب کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے، چنانچہ وہ تمہیں اس کے

بارے میں بتائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔(الانعام:164)(3)﴿ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴾''اور جو جرم تم کرتے ہو اس سے میں بے تعلق ہوں''، یعنی میں تمہارے جرائم سے بری الذمہ ہوں۔(4)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ ﴾اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے یہاں تک کہ ہمیں بھی اس جیسا دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے، جن لوگوں نے جرم کیے جلد ہی انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ مکروفریب کرتے تھے۔(الانعام:124)(5)پھر یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیوں جھٹلاتے ہو۔اگر تم توبہ نہیں کروگے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔(6)سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا(قیامت کے دن سیدنا نوح علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے)اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ کیا(میرا پیغام)تم نے پہنچادیا؟نوح علیہ السلام عرض کریں گے میں نے پیغام پہنچادیا تھا'اے رب العزت!اب اللہ تعالیٰ ان کی امت سے دریافت فرمائے گا' کیا(نوح علیہ السلام نے)میرا پیغام پہنچادیا تھا؟وہ جواب دیں گے نہیں' ہمارے پاس تیرا کوئی نبی نہیں آیا۔اس پر اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے دریافت فرمائے گا،اس کے لئے آپ کی طرف سے کوئی گواہی بھی دے سکتا ہے؟وہ عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت(کے لوگ میرے گواہ ہیں)چنانچہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ نوح علیہ السلام نے پیغام خداوندی اپنی قوم تک پہنچایا اور یہی مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ہے''اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہی دو'،اور وسط کے معنی درمیانی کے ہیں۔(صحیح بخاری:3339)

رکوع نمبر:4

﴿ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ(36) ﴾

''اور نوح کو وحی کی گئی کہ یقیناً تمہاری قوم میں سے اب کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر یقیناً جو ایمان لا چکا، چنانچہ آپ ان کاموں پر غمگین نہ ہوں جو وہ کرتے ہیں۔''(36)

سوال1:﴿ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴾''اور نوح کو وحی کی گئی کہ یقیناً تمہاری قوم میں سے اب کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر یقیناً جو ایمان لا چکا، چنانچہ آپ ان کاموں پر غمگین نہ ہوں جو وہ کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ ﴾''اور نوح کو وحی کی گئی''سیدنا نوح علیہ السلام نے 950 سال تبلیغ کی۔اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کے جھٹلانے پر ان کی طرف وحی کی۔(2)﴿ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ﴾''کہ یقیناً تمہاری قوم میں سے اب کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر

یقیناً جو ایمان لا چکا'' رب العزت نے واضح فرما دیا کہ آپ کی قوم سے کوئی ایمان لانے والا نہیں کیونکہ اب تک جو لوگ ایمان نہیں لائے وہ پتھر دل ہیں۔(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم والے آپ کو اتنا مارتے تھے کہ آپ گر پڑتے تھے اور مردہ سمجھ کر لبادہ میں لپیٹ کر گھر ڈال جاتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ نوح مر گئے لیکن آپ علیہ السلام پھر دوسرے دن آ کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔ایک روایت میں ہے کہ ایک بوڑھا آدمی لاٹھی کے سہارے اپنے بیٹے کے ساتھ جا رہا تھا۔اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اس دیوانے بوڑھے کے دھوکے میں نہ آنا۔اس کے بچے نے کہا: ابا جی ذرا مجھے لاٹھی دیجیے پھر اس نے سیدنا نوح علیہ السلام کے سر پر اتنا مارا کہ زخمی کر دیا۔اس کے بعد سیدنا نوح علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی۔(تفسیر مظہری:27)(4)﴿ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾'' چنانچہ آپ ان کاموں پر غمگین نہ ہوں جو وہ کرتے ہیں'' رب العزت نے سیدنا نوح علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ غم نہ کریں۔ان کے برے اعمال کی پرواہ نہ کریں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے عذاب کو مقدر کر دیا ہے جو ان سے ٹلنے والا نہیں۔(5) سیدنا نوح علیہ السلام کو یہ اطلاع اس لیے دی گئی کہ اب دعوتی کام جاری رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔(6) حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بذریعۂ وحی خبر دے دی تو وہ ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے اور ان کے حق میں بددعا کر دی کہ اے اللہ! اب کسی کافر کو زمین پر نہ رہنے دے۔(تیسیر الرحمٰن:643,644)

﴿ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ (37) ﴾

'' اور ہماری وحی کے مطابق اور ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کشتی بنائیں اور جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے بارے میں مجھ سے بات نہ کریں، بے شک وہ سب غرق کیے جانے والے ہیں۔''(37)

سوال1: ﴿ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴾'' اور ہماری وحی کے مطابق اور ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کشتی بنائیں اور جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے بارے میں مجھ سے بات نہ کریں، بے شک وہ سب غرق کیے جانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا ﴾'' اور ہماری وحی کے مطابق اور ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کشتی بنائیں'' سیدنا نوح علیہ السلام کو تبلیغ کے کام سے فارغ ہونے کے بعد کشتی بنانے کا حکم دیا گیا۔(2) رب العزت نے سیدنا نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہماری ہدایات کے مطابق، ہماری حفاظت میں، ہماری مرضی کے مطابق کشتی بناؤ۔(3) صاحب ''فتح البیان'' کہتے ہیں کہ '' اعین'' عین کی جمع تعظیم اور مبالغہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے، نہ کہ کثرت کے لیے اور عین یعنی آنکھ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے ہیں، لیکن اس پر ایمان لانا واجب ہے۔(4) تورات کی تصریح کے مطابق اس کشتی کی لمبائی تین ہاتھ، چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی اور اس کے تین درجے یا منزلیں تھیں اور اس میں روشن دان اور دروازے اور کھڑکیاں اور کوٹھڑیاں تھیں اور باہر رال

لگائی گئی تھی گویا یہ موجودہ دور کے لحاظ سے ایک درمیانہ درجہ کا بحری جہاز تھا جسے بنی نوع انسان کی پہلی تاریخ میں سیدنا نوح علیہ السلام نے غالباً پہلی بار بنایا تھا اور اس کے بنانے کا طریقہ خود بذریعہ وحی سکھایا تھا۔(تیسیر القرآن:346/2)(5)﴿وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''اور جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے بارے میں مجھ سے بات نہ کریں'' دیکھو ظالموں کے بارے میں یعنی ان کی ہلاکت کے متعلق مجھ سے بات نہ کرنا۔(6)﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ ''وہ سب غرق کیے جانے والے ہیں'' یعنی ان کے بارے میں تقدیر کا فیصلہ ہو چکا کہ سب پانی میں غرق کر کے ہلاک کر دیے جائیں گے۔

﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۣ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ(38)﴾

''اور نوح کشتی بناتا رہا، اور جب بھی اس کی قوم کے سردار اس کے پاس سے گزرتے تو وہ اس کا مذاق اڑاتے، اس نے کہا کہ اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو یقیناً ہم بھی تم سے مذاق کریں گے، جیسا کہ تم مذاق کر رہے ہو۔''(38)

سوال 1:﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۣ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ ''اور نوح کشتی بناتا رہا، اور جب بھی اس کی قوم کے سردار اس کے پاس سے گزرتے تو وہ اس کا مذاق اڑاتے، اس نے کہا کہ اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو یقیناً ہم بھی تم سے مذاق کریں گے، جیسا کہ تم مذاق کر رہے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ﴾ ''اور نوح کشتی بناتا رہا'' حافظ شمس الدین ذہبی کی الطب النبوی میں بعض سلف سے نقل کیا گیا ہے کہ انسان کے لئے جتنی صنعتوں کی ضرورت ہے ان سب کی ابتداء بذریعہ وحی الٰہی کسی پیغمبر کے ذریعہ عمل میں آئی ہے پھر حسب ضرورت اس میں اضافے اور سہولتیں مختلف زمانوں میں ہوتی رہیں، سب سے پہلے پیغمبر سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف جو وحی آئی ہے اس کا بیشتر حصہ زمین کی آبادکاری اور مختلف صنعتوں سے متعلق ہے، بوجھ اٹھانے کے لئے پہیوں کے ذریعہ چلنے والی گاڑی کی ایجاد بھی اسی سلسلہ کی ایجادات میں سے ہے۔(معارف القرآن:621,620/4)(2)﴿وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ﴾ ''اور جب بھی اس کی قوم کے سردار اس کے پاس سے گزرتے تو وہ اس کا مذاق اڑاتے'' سیدنا نوح علیہ السلام کے پاس سے جب قوم کے سردار گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ نبوت کے بعد اب وہ انجینئر بن گیا ہے اور یہ کہ خشکی میں کشتی چلائیں گے۔(جامع البیان)(3)﴿قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ ''اس نے کہا کہ اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو یقیناً ہم بھی تم سے مذاق کریں گے، جیسا کہ تم مذاق کر رہے ہو'' سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم آخرت میں تمہارا مذاق اڑائیں گے۔(4) سیدنا نوح علیہ السلام اس پر ہنستے کہ یہ لوگ بجائے اس کے کہ ایمان واطاعت کے ذریعہ عذاب الٰہی سے بچاؤ حاصل کریں، الٹے کفر ومعاصی پر اصرار کر کے اور خدائی نشانات کا مذاق اڑا کر عذاب کو دعوت دے رہے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے جواب کو بر سبیل مشاکلت ''سخریہ'' کہہ دیا ہو۔ جیسا کہ ''جزاء

سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا‘‘میں مذکور ہے۔(روح المعانی)(اشرف الحواشی:271/1)

﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ(39)﴾

’’سو جلد ہی تم جان لو گے کہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور دائمی عذاب کس پر اترتا ہے؟‘‘(39)

سوال1:﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾’’سو جلد ہی تم جان لو گے کہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور دائمی عذاب کس پر اترتا ہے‘‘؟ کی وضاحت کریں؟

جواب(1)﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾’’سو جلد ہی تم جان لو گے‘‘یعنی جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔(2)﴿مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾’’کہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور دائمی عذاب کس پر اترتا ہے؟‘‘یعنی کس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور ذلت والا عذاب نازل ہوگا ہم پر یا تم پر۔ جب عذاب نازل ہوا تو انہیں پتہ چل گیا۔(3)یہ بھی معلوم ہو جائے گا آخرت کا عذاب کس کو اپنی لپیٹ لے لے گا پھر کبھی ہٹایا نہیں جائے گا۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ(40)﴾

’’حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور ابل پڑا، ہم نے کہا اس کشتی میں ہر چیز کا جوڑا(نر اور مادہ)دونوں کو سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی مگر جن کے متعلق پہلے بات ہو چکی اور انہیں بھی(سوار کر لو)جو ایمان لائے ہیں اور اس پر تھوڑے لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔‘‘(40)

سوال1:﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ﴾’’حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور ابل پڑا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا﴾’’حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آ گیا‘‘یعنی جب مشرکوں کو ہلاک کرنے کا حکم آ گیا۔(ایسر التفاسیر:643)**(2)** یعنی عذاب کے نزول کا مقررہ وقت آ گیا۔**(3)**﴿وَفَارَ التَّنُّوْرُ﴾’’اور تنور ابل پڑا‘‘یعنی طوفان کے آغاز کی علامت ظاہر ہو گئی۔**(4)**اللہ تعالیٰ نے طوفانی بارشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آسمان سے بارشیں برسنے کا آغاز ہو گیا اور ساری زمین پر جگہ جگہ چشمے جاری کر دیے گئے حتیٰ کہ تنوروں سے بھی پانی ابلنے لگا جو کہ آگ کا مقام ہیں اور پانی اس کام کے لیے جمع ہو گیا جس کو مقدر کر دیا گیا۔

سوال2:﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾’’ہم نے کہا اس کشتی میں ہر چیز کا جوڑا(نر اور مادہ)دونوں کو سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی مگر جن کے متعلق پہلے بات ہو چکی اور انہیں بھی(سوار کر لو

جوایمان لائے ہیں اوراس پر تھوڑے لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ** ﴾''ہم نے کہا اس کشتی میں ہر چیز کا جوڑا (نراور مادہ) دونوں کوسوار کرلو'' اللہ رب العزت نے سیدنا نوح علیہ السلام کوحکم دیا کہ جب آسمان سے پانی برسے اور زمین پانی ابلنے لگے تو ہرقسم کی مخلوق میں سے ہرصنف کا جوڑا یعنی نر اور مادہ کشتی پرسوار کرلیں تا کہ مخلوقات باقی رہیں۔(2)﴿ **وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ** ﴾''اوراپنے گھروالوں کوبھی مگر جن کے متعلق پہلے بات ہوچکی اورانہیں بھی (سوار کرلو) جوایمان لائے ہیں'' سیدنا نوح علیہ السلام کوحکم دیا گیا کہ اپنے گھروالوں کوبھی کشتی میں سوار کرلیں۔جیسا کہ فرمایا:﴿ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ ﴾چنانچہ ہم نے آسمان کے دروازے ایسے پانی سے کھول دیے جو زور سے برسنے والا تھا۔اورہم نے زمین کو چشموں سے پھاڑ دیا تو اس کام پر جو طے ہو چکا تھا سارا پانی مل گیا۔اورنوح کو ہم نے کیلوں اورتختوں والی (کشتی) پرسوار کردیا۔جو ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی رہی، یہ تھا بدلہ اس شخص کے لیے جس کا انکار کیا گیا تھا۔(القمر:11-14)(3)﴿ **إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ** ﴾''مگر جن کے متعلق پہلے بات ہوچکی'' یعنی جس کی ہلاکت کا پہلے سے طے کرلیا گیا ہو جیسے نوح علیہ السلام کی بیوی واعلہ اوران کا بیٹا کنعان۔(ایسرالتفاسیر:643)(4)﴿ **وَمَنْ آمَنَ** ﴾''اورانہیں بھی (سوار کرلو) جوایمان لائے ہیں'' اوران لوگوں کوسوار کرلو جو آپ کی قوم میں سے آپ پر ایمان لائے۔جنہوں نے تصدیق کی اورآپ کی پیروی کی۔(ایسرالتفسیر:643)(5)﴿ **وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ** ﴾''اوراس پر تھوڑے لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا'' سیدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ بہت کم ایمان لانے والے تھے۔(6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ اسی لوگ تھے جن میں مرد،عورت سب شامل تھے۔(مختصرابن کثیر:835/1)

﴿ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (41) ﴾

''اورنوح نے کہا کہ سوار ہو جاؤ اس میں، اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کا چلنا بھی ہے اوراس کا ٹھہرنا بھی، یقیناً میرا رب بے حد بخشنے والا ہے، نہایت رحم والا ہے۔''(41)

سوال:1﴿ **وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ** ﴾''اورنوح نے کہا کہ سوار ہو جاؤ اس میں، اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کا چلنا بھی ہے اوراس کا ٹھہرنا بھی، یقیناً میرا رب بے حد بخشنے والا ہے، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَقَالَ** ﴾ سیدنا نوح علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا جن کو کشتی میں سوار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔(2)﴿ **ارْكَبُوا فِيهَا** ﴾''کہ سوار ہو جاؤ اس میں'' جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ ﴾اورنوح

کو ہم نے کیلوں اور تختوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی رہی، یہ تھا بدلہ اس شخص کے لیے جس کا انکار کیا گیا تھا۔ (القمر:13،14)(3)﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے نام سے'' اللہ تعالیٰ کے نام سے ۔ یہ ایک مومن کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات ہی کے ذریعے سے کاموں میں برکت ہوتی ہے ، یہی اسلامی طریقہ زندگی ہے ۔(4)﴿ مَجۡرٖىهَا وَ مُرۡسٰىهَا ﴾ ''اس کا چلنا بھی ہے اور اس کا ٹھہرنا بھی'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اب یہ کشتی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے ہے۔ کشتی کا چلنا بھی، کشتی کا ٹھہرنا بھی ۔(5)﴿ اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴾ ''یقیناً میرا رب بے حد بخشنے والا ہے، نہایت رحم والا ہے'' یقیناً میرا رب توبہ کرنے والوں اور رجوع کرنے والوں کے گناہ ڈھانپ دیتا ہے ۔(6) یقیناً میرا رب وسیع مغفرت والا ہے اور وہ اپنے بندوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہیں کرتا بلکہ وہ ان میں سے کافروں اور ظالموں کو ہلاک کرتا ہے۔ (تفسیر مراغی:317/4)(7)﴿ رَّحِیۡمٌ ﴾ وہ بندوں کے ساتھ رحیم ہے۔ گناہوں پر توبہ کے بعد ان کو بخش دیتا ہے ۔ (جامع البیان:48/7)(8) علماء نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کشتی یا جانور پر سوار ہوتے وقت بسم اللہ کہنے کو مستحب کہا ہے۔ نبی ﷺ کی سنت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔(تیسیر الرحمٰن:645)(9) ضمناً اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ایک یہ کہ مومن کو صرف اسباب پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کی دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کیونکہ اسباب کی باگ ڈور بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور دوسری یہ کہ کشتی یا جہاز پر سوار ہوتے ہوئے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖىهَا وَ مُرۡسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴾ (تیسیر القرآن:348/2)

﴿ وَ هِیَ تَجۡرِیۡ بِهِمۡ فِیۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ ۟ وَ نَادٰی نُوۡحُ ۣ ابۡنَهٗ وَ كَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡكَبۡ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِیۡنَ(42) ﴾

''اور وہ کشتی پہاڑ جیسی موج میں انہیں لے کر چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ الگ تھلگ جگہ میں تھا: ''اے میرے چھوٹے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو جاؤ۔''(42)

سوال1: ﴿ وَ هِیَ تَجۡرِیۡ بِهِمۡ فِیۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ ﴾ ''اور وہ کشتی پہاڑ جیسی موج میں انہیں لے کر چلنے لگی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَ هِیَ تَجۡرِیۡ بِهِمۡ ﴾ ''اور وہ کشتی انہیں لے کر چلنے لگی'' کشتی بیٹھنے والوں کے لیے بظاہر محفوظ پناہ گاہ تھی لیکن حفاظت اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم کشتی والوں کے ساتھ تھا اس لیے وہ محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہاڑ پر چڑھنے والوں کے ساتھ نہ تھا اس لیے وہ غرق ہو گئے ۔(2)﴿ فِیۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ ﴾ ''پہاڑ جیسی موج میں'' سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی ایمان والے مسافروں کو لے کر جا رہی تھی اور کیفیت کچھ یوں تھی کہ موجیں پہاڑوں کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔

سوال2: ﴿ وَ نَادٰی نُوۡحُ ۣ ابۡنَهٗ وَ كَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡكَبۡ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴾ ''اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ الگ

تھلگ جگہ میں تھا: ''اے میرے چھوٹے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَنَادٰى نُوۡحُ ا۟بۡنَهٗ وَكَانَ فِىۡ مَعۡزِلٍ ﴾ ''اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ الگ تھلگ جگہ میں تھا'' سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے بیٹے کو پکارا تاکہ وہ ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جائے۔ بیٹا فاصلے پر تھا سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام چاہتے تھے کہ وہ قریب آئے اور کشتی میں بیٹھ جائے۔ (2) ﴿ يّٰبُنَىَّ ارۡكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ ''اے میرے چھوٹے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو جاؤ'' سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ وہی نجات پائے گا جو ایمان لائے گا۔ آپ انکار کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔

﴿ قَالَ سَاٰوِىۡۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعۡصِمُنِىۡ مِنَ الۡمَآءِ‌ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡيَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ‌ ۚ وَحَالَ بَيۡنَهُمَا الۡمَوۡجُ فَكَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِيۡنَ (43) ﴾

''اس نے کہا: ''میں جلد ہی کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا، وہ مجھے اس پانی سے بچا لے گا'' نوح نے کہا: ''آج اللہ تعالیٰ کے فیصلہ عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اس نے رحم کیا'' اور ان دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہوگئی پھر وہ غرق کیے گئے لوگوں میں سے ہو گیا۔'' (43)

سوال 1: ﴿ قَالَ سَاٰوِىۡۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعۡصِمُنِىۡ مِنَ الۡمَآءِ ﴾ ''اس نے کہا: ''میں جلد ہی کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا وہ مجھے اس پانی سے بچا لے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کے بیٹے نے باپ کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا کہ میں کشتی پر سوار ہو کر کیا کروں گا۔ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتا ہوں تاکہ سیلاب سے بچ جاؤں۔ اس نے نادانی سے یہ سمجھا کہ پانی پہاڑ کی چوٹی تک نہیں پہنچے گا اس لیے میں چوٹی پر چڑھ کر بچ جاؤں گا۔

سوال 2: ﴿ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡيَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ﴾ ''نوح نے کہا: ''آج اللہ تعالیٰ کے فیصلہ عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اس نے رحم کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''نوح نے کہا: ''آج اللہ تعالیٰ کے فیصلہ عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اس نے رحم کیا'' سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے جواب دیا کہ یہ سیلاب نہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جس سے وہی بچے گا جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ بچنے کے لیے کوئی کیسا ہی سبب اختیار کر لے، اللہ تعالیٰ نہ بچائے تو کوئی بچ نہیں سکتا۔ (2) سیدنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا (ام المومنین) فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے'' تو رسول اللہ ﷺ کوہ صفا پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے فاطمہ! (رَضِیَ اللہُ عَنْہَا) محمد (ﷺ) کی بیٹی۔ اے صفیہ! عبدالمطلب کی بیٹی (آپ کی پھوپھی) اے عبدالمطلب کی اولاد! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے بارے میں کسی چیز کا اختیار نہیں

رکھتا البتہ (یہاں) میرے مال میں سے جو چاہو لے لو۔ (صحیح مسلم:503)

سوال 3: ﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ﴾ ''اوران دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہوگئی پھر وہ غرق کیے گئے لوگوں میں سے ہوگیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ﴾ ''اوران دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہوگئی پھر وہ غرق کیے گئے لوگوں میں سے ہوگیا'' رحیم باپ اور نافرمان بیٹے کے درمیان موج حائل ہوگئی جس نے بیٹے کو ہمیشہ کے لیے باپ سے جدا کر دیا اور بیٹا باپ کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوگیا۔

﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ(44)﴾

''اور کہا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا اور پانی نیچے اتار دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور وہ جودی پر جا ٹھہری اور کہا گیا کہ دوری ہے ظالم لوگوں کے لیے!''(44)

سوال 1: ﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ''اور کہا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا اور پانی نیچے اتار دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور وہ جودی پر جا ٹھہری اور کہا گیا کہ دوری ہے ظالم لوگوں کے لیے!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقِيلَ﴾ ''اور کہا گیا'' جب سیلاب نے نافرمان لوگوں کو برباد کر دیا اور فرماں برداروں کو بچا لیا گیا تو رب العزت نے فرمایا۔ (2) ﴿يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ﴾ ''اے زمین! اپنا پانی نگل جا'' رب العزت نے زمین کو حکم دیا کہ سارا پانی پی جاؤ۔ ﴿وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي﴾ ''اے آسمان! تھم جا'' اور آسمان کو حکم دیا اب ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرے۔ اس طرح آسمانوں اور زمین نے رب کی اطاعت کی۔ (3) ﴿وَغِيضَ الْمَاءُ﴾ ''اور پانی نیچے اتار دیا گیا'' یعنی زمین کا پانی سکھا دیا گیا۔ (4) ﴿وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾ ''اور کام تمام کر دیا گیا'' یعنی اہل ایمان اور جھٹلانے والوں کا فیصلہ ہوگیا۔ (4) اللہ تعالیٰ کا فیصلہ پورا ہوگیا، جس کو بچانا چاہا بچا دیا، اور جسے ہلاک کرنا چاہا ہلاک کر دیا۔ (تیسیر الرحمٰن:646) (5) ﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ﴾ ''اور وہ جودی پر جا ٹھہری'' مجاہد نے کہا جودی ایک پہاڑ ہے اس جزیرے میں جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں موصل کے قریب ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) (7) ﴿وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ''اور کہا گیا کہ دوری ہے ظالم لوگوں کے لیے!'' ہلاک ہونے والوں کے پیچھے ایسی لعنت لگا دی گئی جو ہمیشہ ان کا ساتھ دے گی۔ (8) عبدالرحمٰن بن خلدون نے لکھا ہے، اہل علم کا اتفاق ہے کہ طوفان کی وجہ سے زمین پر رہنے والے سبھی لوگ ہلاک ہوگئے تھے، اور جو مسلمان نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار

ہوئے تھے،ان کی بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔صرف نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹوں سے نسل چلی اسی لیے نوح علیہ السلام آدمِ ثانی کہلائے۔مقریزی نے اپنی کتاب ''الخطط''میں بھی تمام اہل ادیان کا اسی پر اتفاق نقل کیا ہے۔(تیسیر الرحمن:646)

﴿ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ (45) ﴾

''اورنوح نے اپنے رب کو پکارا تو کہا:''اے میرے رب! یقیناً میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور بلا شبہ آپ کا وعدہ سچا ہے اور آپ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔''(45)

سوال1:﴿ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴾''اورنوح نے اپنے رب کو پکارا تو کہا:''اے میرے رب! یقیناً میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور بلا شبہ آپ کا وعدہ سچا ہے اور آپ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب :(1)﴿ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ ﴾''اورنوح نے اپنے رب کو پکارا تو کہا:''اے میرے رب! یقیناً میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے''سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے کہا کہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے۔(2)﴿ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ ﴾''اور بلا شبہ آپ کا وعدہ سچا ہے''یقیناً تو وعدے کا سچا ہے۔تو نے کہا تھا،وعدہ فرمایا تھا کہ ہر قسم کے جانوروں کا جوڑا اپنے ساتھ سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی اور آپ نے جو وعدہ کیا تھا یقیناً آپ اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔(3)سیدنا نوح علیہ السلام نے یہ بات اس لیے کہی کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے کہ میرے اہل خاندان کو بچایا جائے اور بیٹا خاندان والوں میں سے ہے۔(4)﴿ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴾''اور آپ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں''سیدنا نوح علیہ السلام نے یہ بات اس لیے کہی کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے کہ میرے اہل خاندان کو بچایا جائے اور بیٹا خاندان والوں میں سے ہے۔

﴿ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (46) ﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں، بے شک وہ تو ایسا عمل ہے جو اچھا نہیں لہٰذا مجھ سے ایسا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے، بلا شبہ میں تمہیں اس سے نصیحت کرتا ہوں یہ کہ تم جاہلوں میں سے ہو(نہ) جاؤ۔''(46)

سوال1:﴿ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں، بے شک وہ تو ایسا عمل ہے جو اچھا نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ ﴾اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام سے فرمایا۔(2)﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ﴾''اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھر والوں

میں سے نہیں' یعنی وہ آپ کے ان گھر والوں میں سے نہیں ہے جو ایمان لائے۔(3) اے نوح! وہ ایمان نہیں لائے گا، اس لیے کہ وہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے، آپ کے گھر والے تو دین وشریعت کے پابند اور اہل صلاح ہیں اور وہ صالح نہیں ہے، اس لیے وہ طوفان سے نہیں بچے گا۔(تیسیر الرحمٰن :646/1)(4)﴿ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾''بے شک وہ تو ایسا عمل ہے جو اچھا نہیں'' سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام پر یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ آپ کے بیٹے کے عمل صحیح نہیں ہیں۔آپ تو اس شخص کے لیے دعا کر رہے ہیں جو کافر ہے اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتا۔(5) سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام سے یہ بات اس لیے کہی گئی کہ آپ کا بیٹا آپ سے کٹ چکا تھا اور آپ اس سے کٹ چکے تھے اگرچہ وہ آپ کا بیٹا ہے اور خون کا رشتہ موجود ہے مگر خون کے رشتے کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے یہاں نجات کی بنیاد نہیں بن سکتے۔اس کا آپ کی ذات سے تعلق تھا۔آپ جس نجات کی طرف بلا رہے تھے اس سے اس نے خود تعلق کاٹ لیا تھا اس لیے آپ ذہن میں رکھیں کہ آپ کا رشتہ کٹ چکا۔

سوال 2: ﴿ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ ''لہٰذا مجھ سے ایسا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے، بلاشبہ میں تمہیں اس سے نصیحت کرتا ہوں یہ کہ تم جاہلوں میں سے ہو(نہ) جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ ''لہٰذا مجھ سے ایسا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے' یعنی ایسا سوال نہ کرو جس کے انجام کے بارے میں آپ نہیں جانتے، اچھا ہے یا برا۔اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کا بیٹا ان کافروں میں سے ہے جو ڈوبنے والے ہیں جب کہ سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کو ڈوبنے سے پہلے تک امید تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے بچا لے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا سوال کرنے سے روکا ہے جس کا علم نہ ہو اور اپنا معاملہ اس کے حوالے کرنے کے لیے کہا ہے جو علم رکھتا ہے۔(2) سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے بیٹے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو اپنا وعدہ یاد دلایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ احساس دلایا کہ آپ جو سوال کر رہے ہیں وہ لاعلمی کی بنیاد پر کر رہے ہیں۔(3)﴿ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ ''یہ کہ تم جاہلوں میں سے ہو(نہ) جاؤ'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کو نصیحت کی ہے کہ نادانی نہ کریں۔(4) یہاں جہالت سے مراد رابطوں کی حقیقت کو اور اسلامی اخوت کو سمجھنے کی جہالت ہے۔(5) یعنی میں تم کو ایسی نصیحت کرتا ہوں جس پر عمل کر کے تو کاملین میں شمار ہوگا اور جاہلین کی صفات سے نجات حاصل کرے گا۔(تفسیر سعدی:1201/2)

﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (47)﴾

''نوح نے کہا:'' اے میرے رب! بلاشبہ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں کہ آپ سے اس بات کا سوال کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں اور اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔''(47)

سوال 1: ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ ''نوح نے کہا:'' اے میرے رب! بلاشبہ میں آپ کی پناہ میں آتا

ہوں کہ آپ سے اس بات کا سوال کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ﴾'' نوح نے کہا: '' اے میرے رب! بلاشبہ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں کہ آپ سے اس بات کا سوال کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں'' سیدنا نوح علیہ السلام نے جب یہ جان لیا کہ بیٹے کی مغفرت کے بارے میں سوال کرنا رب العزت کی منشاء کے خلاف تھا تو انہوں نے اپنے رب سے معافی کی درخواست کی۔(2) اللہ تعالیٰ کی رحمت نے سیدنا نوح علیہ السلام کو ڈھانپ لیا اور وہ بیٹے کی ہلاکت اور ساتھیوں کی نجات پر مطمئن ہو گئے۔(3) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ نوح علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے کافر بیٹے کی نجات کے لیے دعا کرنا حرام ہے اور ان کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں داخل ہے ﴿ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴾'' ظالموں کے بارے میں مجھ سے گفتگو نہ کرنا کہ وہ سب غرق ہوں گے'' بلکہ نوح علیہ السلام کے نزدیک دونوں امور متعارض ہو گئے اور وہ سمجھے کہ ان کا بیٹا '' اھلک'' کے حکم میں داخل ہے اور بعد میں ان پر واضح ہوا کہ ان کا بیٹا ان لوگوں میں شامل ہے جن کے لیے بخشش کی دعا اور گفتگو کرنے سے روکا گیا ہے۔(تفسیر سعدی:1202/2)

سوال2:﴿ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾'' اور اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے رب سے گڑگڑا کر کہا: ﴿ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْۤ ﴾ '' اور اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا'' یعنی اگر آپ نے میری غلطی کو معاف نہ کیا اور میری توبہ قبول نہ کی تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا۔(2) مغفرت اور رحمت بندے کو خسارے والے لوگوں میں شامل ہونے سے بچاتی ہے۔(تفسیر سعدی :1202/2)(3)﴿ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾'' تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا'' یعنی میں اپنے اعمال میں خسارہ اٹھاؤں گا۔اس میں مجھے کوئی نفع نہیں ہوگا۔(فتح القدیر)(4) سیدنا آدم علیہ السلام سے جب غلطی ہوئی تو انہوں نے بھی رب العالمین سے مغفرت اور رحمت کی درخواست کی تھی۔﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ ان دونوں نے کہا: '' اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' (الاعراف:23)

﴿ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (48) ﴾

'' کہا گیا: '' اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤ تم پر اور ان گروہوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں اور کچھ گروہ ایسے ہیں کہ جلد ہی ان کو ہم سازوسامان دیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔''(48)

سوال 1:﴿ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ﴾ ''کہا گیا: ''اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤتم پر اوران گروہوں پر جوتمہارے ساتھ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ ﴾ ''کہا گیا: ''اے نوح! اتر جاؤ'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلام کی دعا قبول کرلی۔ کشتی جودی پہاڑ پر ٹک گئی تو فرمایا اے نوح! اورآپ کے ساتھ جومومن ہیں کشتی سے اتر جائیں۔(ایسر التفسیر:645)(2)﴿ بِسَلٰمٍ مِّنَّا ﴾ ''ہماری جانب سے سلامتی کے ساتھ'' یعنی آپ کو ہماری طرف سے غرق ہونے سے سلامتی کی بشارت ہے۔(الاساس:2558/5)(3)﴿ وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ ﴾ ''اورتم پر برکتوں کے ساتھ'' یعنی رب العزت نے برکتوں کی بشارت دی ہے، یہ نوح عَلَیْہِ السَّلام کی اولاد اور پیروکاروں کے حق میں خوش خبری تھی۔(4) یہ برکت ان کے معاش اوررزق میں تھی۔(تفسیر مراغی:321/4)(5)﴿ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ﴾ ''ان گروہوں پر جوتمہارے ساتھ ہیں'' یہاں امم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار ہوئے جن میں انسانوں کے علاوہ حیوانات کے جوڑے بھی تھے۔(6) اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی برکت عطا فرمائی کہ کشتی والوں کی اولادوں نے روئے دنیا کو کناروں تک بھر دیا۔

سوال 2:﴿ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''اور کچھ گروہ ایسے ہیں کہ جلد ہی ان کو ہم ساز وسامان دیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ﴾ ''اور کچھ گروہ ایسے ہیں کہ جلد ہی ان کو ہم ساز وسامان دیں گے'' یعنی دنیا میں ان کے علاوہ بھی گروہ ہوں گے جنہیں دنیا میں رزق اور برکتیں ملیں گی یعنی انہیں دنیا سے فائدہ اٹھانے دیا جائے گا۔(2)﴿ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا'' یعنی ایک بار نجات دینا اس سے نہیں روکے گا کہ ان کے کفر پر انہیں پکڑا نہ جائے۔ جو کفر کرے گا اس کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے گا اور بعد میں ان کی پکڑ بھی ہوگی۔(3) ان میں سے کچھ کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو آگے چل کر کفر کی راہ اختیار کرلیں گے اوران کا منتہائے مقصود دنیا کا عیش وآرام ہوجائے گا، تو ہم انہیں اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں گے، لیکن انجام کار انہیں دردناک عذاب سے دوچار کردیں گے۔(تیسیر الرحمٰن:647)

﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ (49) ﴾

''یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ انہیں جانتے تھے نہ ہی آپ کی قوم، چنانچہ آپ صبر کریں، بلاشبہ اچھا انجام متقیوں کے لیے ہے۔''(49)

سوال 1:﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ﴾ ''یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جن کو ہم

آپ کی طرف وحی کرر ہے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ انہیں جانتے تھے نہ ہی آپ کی قوم'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ** ﴾''یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں'' نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ یہ واقعہ اور دیگر واقعات ہیں جن کی خبر آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے دی جارہی ہے۔(2)﴿ **نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ** ﴾''جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرر ہے ہیں''یعنی ان واقعات کی آپ ﷺ کو خبر تک نہ تھی۔(3)اس آیت کریمہ سے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔یہ ساری تفصیلات آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہیں اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول تھے۔(تیسیر الرحمن:647)(4)﴿ **مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا** ﴾''اس سے پہلے نہ آپ انہیں جانتے تھے نہ ہی آپ کی قوم'' وحی سے پہلے ان واقعات سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی قوم ناواقف تھے۔اب آپ ﷺ لوگوں کو ایسے سنا رہے ہیں جیسے آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو لہٰذا کوئی یہ خیال نہیں کرسکتا کہ ان واقعات کو سن کر بیان کیا گیا ہے۔پچھلے انبیاء کی کتابیں بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

سوال2:﴿ **فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ** ﴾''چنانچہ آپ صبر کریں، بلاشبہ اچھا انجام متقیوں کے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **فَاصْبِرْ** ﴾''چنانچہ آپ صبر کریں'' اگر آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو جھٹلائے تو اس پر صبر کریں۔(2)دعوت دین پر ثابت قدم رہیں اور سیدنا نوح علیہ السلام کی طرح صبر کریں۔(3)﴿ **اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ** ﴾''بلاشبہ اچھا انجام متقیوں کے لیے ہے'' انجام ان ہی کا اچھا ہے جو شرک سے بچتے ہیں۔(4)آپ ﷺ کی قوم کے مقابلے میں آپ کا انجام اسی طرح اچھا ہے جس طرح نوح علیہ السلام کی قوم کے مقابلے میں نوح علیہ السلام کا انجام اچھا تھا۔(تفسیر سعدی:1202/2)(5)آپ ﷺ اس یقین کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کیے جائیے کہ دنیا میں فتح و کامرانی اور آخرت میں نعمت ابدی ہم اپنے انہی بندوں کو دیں گے جو تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے۔(تیسیر الرحمن:647)(6)آپ ﷺ کا مستقبل شاندار رہے۔ہم آپ ﷺ کی پشت پر ہیں آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے عقیدت مندوں کو دنیا میں اقتدار اور غلبہ عطا کرنے والے ہیں۔آخر میں آپ ﷺ کا غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کو قابل رشک کامیابی نصیب ہوگی۔(مختصر ابن کثیر:839/1)

رکوع نمبر:5

﴿ **وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ**(50) ﴾

''اور(ہم نے بھیجا)عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھی، اس نے کہا:''اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم تو محض جھوٹ باندھنے والے ہو۔''(50)

سوال1:﴿ **وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا** ﴾''اور(ہم نے بھیجا)عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاِلٰی عَادٍ ﴾''اور (ہم نے بھیجا) عاد کی طرف'' 'عاد' ایک معروف قبیلہ تھا جو سرزمین یمن میں وادی احقاف میں آباد تھا۔ (تفسیر سعدی:1204/2) **(2)** یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ان کا واقعہ سورۃ الاعراف کی آیات 65 سے 75 تک تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔(تیسیر الرحمٰن) **(3)**﴿ اَخَاھُمْ ﴾''ان کے بھائی'' یہ بات اس لیے کہی گئی کہ اخوت اور نبوت کے ہوتے ہوئے بھی عاد والوں کا رویہ سیدنا ہود علیہ السلام کے ساتھ بہت خراب تھا۔**(4)**﴿ ھُوْدًا ﴾''ہود کو بھی' سیدنا ہود علیہ السلام ان چار نبیوں میں سے تھے جن کا تعلق عرب سے تھا جنہوں نے عربی زبان میں بات کی اور وہ ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔(ایسر التفاسیر:646) **(5)** سیدنا ہود علیہ السلام اس دور میں آئے جب ان کی قوم گمراہ تھی برے طریقے سے شرک میں مبتلا تھی۔

سوال 2:﴿ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴾''اس نے کہا:''اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم تو محض جھوٹ باندھنے والے ہو' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ ﴾ سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔**(2)**﴿ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾''اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی اور کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔**(3)** یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچانو، اس کو ایک مانو اور اس کی اطاعت کرو۔(الاساس فی التفسیر) **(4)**﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ﴾''اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' سیدنا ہود علیہ السلام نے شرک اور بت پرستی سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی معبود تمہاری عبادت کا مستحق نہیں، اس لیے اس کے لیے عبادت کو خالص کرو اور الوہیت میں ایک مانو۔(جامع البیان:61/12) **(5)** سیدنا ہود علیہ السلام نے غیر اللہ کی عبادت سے روکا اور ان بتوں کی مذمت کی جنہیں قوم عاد نے خود تراش کر ان کی عبادت شروع کر دی تھی۔**(6)**﴿ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴾''تم تو محض جھوٹ باندھنے والے ہو' تم جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہو تو یہ بہت بڑی افتراء پردازی ہے، اس لیے کہ اس نے تمہیں کبھی نہیں کہا کہ اس کی بجائے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرو۔(تیسیر الرحمٰن)

﴿ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (51) ﴾

''اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تم سمجھتے نہیں؟''

(51)

سوال :﴿ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾''اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تم سمجھتے نہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴾''اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو یقین

دلانا چاہا کہ یہ دعوت خیر خواہی اور نیک نیتی کی بنیاد پر ہے۔اس کے پیچھے کوئی ذاتی مقصد نہیں ہے۔انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ عام طور پر پیغمبروں پر الزام بھی لگتا رہا ہے کہ وہ دولت جمع کرنا چاہتے ہیں یا کوئی اور فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔(2) یعنی میں تمہاری خیر خواہی پر تم سے اپنا حق محنت بھی نہیں مانگتا میں تو اللہ تعالیٰ کی رضا ڈھونڈتا ہوں۔(مختصر ابن کثیر 840/1)(3)﴿ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ﴾'' میری اجرت اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے'' یعنی میرا رب مجھ سے راضی ہوگیا تو مجھے اجر عطا فرمائے گا۔اسی نے مجھے فطرت سلیم پر پیدا کیا اور مجھے پروان چڑھایا۔(4)﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾'' تو کیا تم سمجھتے نہیں'' تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ جس نے تمہیں پیدا کیا وہی غیروں کی نسبت تمہاری عبادت کا زیادہ حق رکھتا ہے۔(تفسیر سمرقندی)(5) کیا تمہیں اتنی بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ میری بے لوث دعوت، میری صداقت کی دلیل ہے۔(تیسیر الرحمٰن)(6)﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کے ذریعے یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ رسول تو تمہیں یہ دعوت دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق مالک اور رازق نہیں کیسے ممکن ہے کہ وہ تم سے رزق کا مطالبہ کرے جب کہ وہ دوسروں کو بھی یہی بات سمجھاتا ہے کہ ہر ایک تک رزق رازق کے دینے سے پہنچتا ہے۔

﴿ وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ(52) ﴾

'' اور اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس سے توبہ کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت کے ساتھ تمہیں اور زیادہ قوت دے گا اور تم مجرم بن کر منہ نہ موڑو۔''(52)

سوال 1: ﴿ وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ﴾ '' اور اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس سے توبہ کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت کے ساتھ تمہیں اور زیادہ قوت دے گا اور تم مجرم بن کر منہ نہ موڑو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ﴾'' اور اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو'' سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور کہا تم لوگ اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگو، گڑگڑا کر توبہ کرو اور کثرت سے استغفار کرو۔(2)﴿ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ﴾'' پھر اس سے توبہ کرو'' مستقبل میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے توبہ کرلو اور اس کی طرف رجوع کرو۔(3) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ اور اے مؤمنو! تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔(النور 31)(4)﴿ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ﴾'' وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا'' اگر آپ شرک سے معافی مانگ لو اور آئندہ کے لیے توبہ کرلو تو ان دو خوبیوں کے ساتھ تمہارا رب بکثرت بارشیں برسائے گا جس سے زمین کی پیداوار اور رزق میں اضافہ ہوگا۔(5) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَ لَوْ اَنَّ

﴿ اَهۡلَ الۡقُرٰۤی اٰمَنُوۡا وَ اتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لٰكِنۡ كَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ ﴾ اور اگر یقیناً بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے بہت سی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے اس کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔ (الاعراف:96) (6) قوم ہود کھیتیوں اور باغات والی تھی ۔ (تیسیر الرحمٰن) (7) ﴿ وَّ یَزِدۡكُمۡ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمۡ ﴾ ''اور تمہاری قوت کے ساتھ تمہیں اور زیادہ قوت دے گا'' قوم ہود طاقت ور تھی، اسی لیے انہوں نے کہا تھا: ﴿ مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ﴾ کون ہے ہم سے زیادہ طاقت ور؟ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا وہ قوت میں ان سے زیادہ ہے؟ (السجدہ:15) اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قوت میں اور اضافہ کرے گا۔ (8) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے استغفار کا التزام کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ اور ہر غم سے راحت کا سامان پیدا فرما دے گا۔ اور ایسے ایسے مقامات سے رزق مہیا فرمائے گا جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ (سنن ابوداؤد:1518) (9) ﴿ وَ لَا تَتَوَلَّوۡا ﴾ ''اور تم منہ نہ موڑو'' یعنی اپنے خالق و مالک سے اپنے رب سے منہ نہ موڑو۔ (10) ﴿ مُجۡرِمِیۡنَ ﴾ ''مجرم بن کر'' یعنی تکبر کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ نہ موڑو اور اس کے محارم کے ارتکاب کی جسارت نہ کرو۔ (تفسیر سعدی:1205/2)

﴿ قَالُوۡا یٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحۡنُ بِتَارِكِیۡۤ اٰلِهَتِنَا عَنۡ قَوۡلِكَ وَ مَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ (53) ﴾

''انہوں نے کہا: ''اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آئے اور ہم اپنے معبودوں کو تمہاری بات کی وجہ سے چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہی ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔'' (53)

سوال: ﴿ قَالُوۡا یٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحۡنُ بِتَارِكِیۡۤ اٰلِهَتِنَا عَنۡ قَوۡلِكَ وَ مَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴾ ''انہوں نے کہا: ''اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آئے اور ہم اپنے معبودوں کو تمہاری بات کی وجہ سے چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہی ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالُوۡا ﴾ ''انہوں نے کہا'' سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم نے تمام دلائل کا انکار کرتے، جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿ یٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَةٍ ﴾ ''اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آئے'' قوم عاد نے سیدنا ہود کی نصیحت سن کر کہا آپ نے ہمارے سامنے توحید کی کوئی دلیل تو رکھی نہیں بس اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور بت پرستی چھوڑ دو جب تک کہ توحید کی خوبیوں اور شرک کی خرابیوں کو بیان کر کے ہمیں قائل نہ کرلو۔ (3) ﴿ بِبَیِّنَةٍ ﴾ سے مراد اس چیز کی صحت پر دلیل اور برھان ہے جس کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ وحدہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہو۔ (ایسر التفسیر:646) (4) اگر دلیل سے مراد وہ دلیل ہے جس کا وہ مطالبہ کرتے تھے تو ایسی

دلیل حق کی صداقت کے لیے لازم نہیں، بلکہ لازم صرف یہ ہے کہ نبی ان کو ایسی دلیل اور ایسا ثبوت پیش کرے جو اس کی دعوت کی صحت پر دلالت کرتا ہو اور اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا ہود علیہ السلام ان کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں لائے جو ان کی دعوت کی صداقت کی گواہی دیتی ہو تو اس بارے میں وہ جھوٹ کہتے ہیں، کیونکہ جب بھی کسی قوم میں کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر ایسے ایسے معجزات ظاہر کرتا ہے جو انسان کے بس میں نہیں ہوتے۔ اگر ان کے ہاتھ پر کوئی معجزہ نہ بھی ظاہر ہوا ہوتا سوائے دعوت کے جس میں دین کو اللہ وحدہ لاشریک کے لئے خالص کرنے کی تاکید ہو، نیک عمل اور اخلاق جمیلہ کا حکم دیا گیا ہو اور اخلاق مذمومہ، یعنی شرک، فواحش، ظلم اور دیگر مختلف قسم کی برائیوں سے روکا گیا ہو نیز اس کی تائید میں سیدنا ہود علیہ السلام کی وہ صفات بھی ہوں جو مخلوق میں سب سے اچھے اور سب سے سچے شخص کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتیں، تو ان کی صداقت پر دلیل کے لئے یہی چیز کافی تھی۔ بلکہ عقل مند لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ چیز مجرد خرق عادت معجزات سے زیادہ بڑی نشانی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1206/2) **(5)** ﴿ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ”اور ہم اپنے معبودوں کو تمہاری بات کی وجہ سے چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہی ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں“ قوم ہود نے کہا کہ نعوذ باللہ ہم آپ کی بے دلیل باتوں پر اپنے معبودوں کی عبادت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ انہوں نے کہا: ”کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے؟ تو وہ عذاب لے آ، جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے لوگوں میں سے ہو۔“ (الاعراف: 70) **(6)** قوم ہود سیدنا ہود علیہ السلام کی باتوں پر اعتماد نہیں کرتی تھی وہ اس دعوت کو دیوانگی سمجھتے تھے اس لئے ماننے سے انکار کرتے تھے۔ **(7)** سیدنا ہود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل دیے تھے۔ **(8)** سیدنا ہود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل دیے تھے: ﴿ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ پر میں نے بھروسہ کیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ﴿ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (54) مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ اس نے کہا: ”یقیناً میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ اس کے سوا تم جو شریک بناتے ہو بلاشبہ میں ان سے بیزار ہوں۔ اس کے سوا، چنانچہ تم سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو۔ **(9)** ﴿ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ”اور نہ ہی ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں“ یعنی ہم آپ کی تصدیق نہیں کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (تفسیر سمرقندی: 160/2) یہ ان کی جانب سے سیدنا ہود علیہ السلام کو جواب تھا۔ اس طرح وہ اپنے کفر پر قائم رہے۔

﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (54) ﴾

ہم نہیں کہتے مگر یہ کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کسی آفت میں مبتلا کر دیا ہے،“ اس نے کہا: ”یقیناً میں اللہ تعالیٰ کو گواہ

بنا تا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ اس کے سوا تم جو شریک بناتے ہو بلا شبہ میں ان سے بیزار ہوں۔'' (54)

سوال 1: ﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ﴾ '' ہم نہیں کہتے مگر یہ کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کسی آفت میں مبتلا کر دیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنْ نَّقُوْلُ ﴾ '' ہم نہیں کہتے'' یعنی ہمارا تو تمہارے بارے میں یہی خیال ہے۔ (2) ﴿ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ﴾ '' مگر یہ کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کسی آفت میں مبتلا کر دیا ہے'' یعنی آپ ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے روک رہے ہو اور ان کی برائیاں بیان کر رہے ہو اس لیے تمہیں ہمارے معبودوں کی مار پڑ گئی ہے ہمارے کسی معبود نے تمہاری عقل سے بے گانہ کر دیا ہے۔ (3) یعنی ہمارے کسی معبود نے تیری عقل سلب کر کے تجھے جنون لاحق کر دیا ہے اور تو نے ہذیان بولنا شروع کر دیا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے ظالموں کے دلوں پر مہر ثبت کر دی۔ انہوں نے کس طرح سب سے سچے انسان کو، جو سب سے بڑا حق لے کر آیا، ایسے گھٹیا مقام پر کھڑا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خود بیان نہ کیا ہوتا، تو ایک عقل مند شخص کو ان سے اس بات کو روایت کرتے ہوئے بھی شرم آتی۔ اسی لئے سیدنا ہود علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ انہیں پورا وثوق ہے کہ ان کی طرف سے یا ان کے معبودوں کی طرف سے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ (تفسیر سعدی: 2/1206)

سوال 2: ﴿ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴾ '' اس نے کہا: '' یقیناً میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ اس کے سوا تم جو شریک بناتے ہو بلا شبہ میں ان سے بیزار ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ ﴾ سیدنا ہود علیہ السلام نے انہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ (2) ﴿ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴾ '' یقیناً میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ اس کے سوا تم جو شریک بناتے ہو بلا شبہ میں ان سے بیزار ہوں'' سیدنا ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر صاف کہتا ہوں کہ میں بتوں سے بے زار ہوں۔ (3) سیدنا ہود علیہ السلام نے انہیں ایسا جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان کافروں کی باتوں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ (تیسیر الرحمٰن) (4) سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے بری الذمہ ہونے پر، گمراہوں سے مکمل علیحدگی اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ اور باقی سب لوگوں کو بھی گواہ ٹھہرایا تاکہ دلوں سے اس غلط فہمی کو دور کر دیا جائے کہ وہ ایک ملت کے افراد ہیں۔ انہوں نے شرک سے برأت کا اظہار کیا۔ (5) سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم نے جب مکمل ہلاکت کا راستہ اختیار کر لیا تو انہیں قوم کے ساتھ رہنا خطرناک محسوس ہوا اس لیے انہوں نے اعلان برأت کر دیا۔

﴿ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (55) ﴾

'' اس کے سوا، چنانچہ تم سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو۔'' (55)

سوال: ﴿ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ ''اس کے سوا، چنانچہ تم سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ ''اس کے سوا'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ماسوا، تم اور تمہارے جھوٹے معبود۔ (2) ﴿ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ﴾ ''چنانچہ تم سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو'' ہر تدبیر سے، ہر ممکن طریقے سے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرلیں۔ (3) ﴿ ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ ''پھر مجھے مہلت بھی نہ دو'' یعنی جو کرنا ہے کر گزریں، مجھ پر رحم نہ کھائیں اور جو کچھ بس میں ہو عمل میں لے آئیں۔

﴿ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (56) ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ پر میں نے بھروسہ کیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، کوئی جاندار ایسا نہیں مگر اس کی پیشانی کے بالوں کو وہ پکڑنے والا ہے، یقیناً میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔'' (56)

سوال 1: ﴿ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ پر میں نے بھروسہ کیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ پر میں نے بھروسہ کیا ہے'' میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے، میرا اسی پر بھروسہ پر ہے۔ (2) ﴿ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ﴾ ''جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے'' جو میرا بھی خالق ہے اور تمہارا بھی، جو میرا بھی رازق ہے اور تمہارا بھی، جو ہمارا اور کائنات کا مالک اور بادشاہ ہے، جس نے ہماری تربیت کی وہی ہمارے لیے تدابیر کرتا ہے۔

سوال 2: ﴿ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ﴾ ''کوئی جاندار ایسا نہیں مگر اس کی پیشانی کے بالوں کو وہ پکڑنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''کوئی جاندار ایسا نہیں مگر اس کی پیشانی کے بالوں کو وہ پکڑنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے، قوت رکھتا ہے یہ حقیقت ہے۔ سیدنا ھود عَلَیْہِ السَّلَام نے اس کو غلبے اور قدرت کی مخصوص شکل یعنی سر کے بالوں سے پکڑ کر قابو کرنے سے پیش کیا۔ (2) کوئی جاندار ایسا نہیں جس کے پیشانی کے بال اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہ ہوں کوئی بھی اس کی قضاء وقدر سے باہر نہیں۔ وہ عادل ہے، ظالم نہیں۔ اگر تم سب مل کر مجھے کسی مصیبت میں مبتلا کرنا چاہو اور وہ مجھے بچانا چاہے تو تم اپنی تدبیروں میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور اگر وہ چاہے کہ تمہیں مجھ پر غالب کر دے تو کوئی مجھے بچا نہیں سکتا۔

سوال 3: ﴿ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ''یقیناً میرا رب سیدھی راہ پر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) بے شک میرا رب حق کے راستے پر ہے، وہ احسان کرنے والے کو احسان کی جزا دیتا ہے اور برا کرنے والے کو برائی کی سزا دیتا

ہے۔(2)یعنی میرا رب عدل وانصاف اور حکمت پر ہے وہ اپنی قضاوقدر،شرع وامر،جزااوراپنے ثواب وعقاب میں قابل ستائش ہے اس کے افعال صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے نہیں جس کی وجہ سے اس کی حمد وثنا کی جاتی ہے۔(تفسیر سعدی:1206/2)(3) زمین پر پائے جانے والے ہر ذی روح کا وہی مالک ہے۔وہ ہر ایک پر قدرت رکھتا ہے،جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے،اور میرا رب اپنے ملک و سلطنت میں بڑے عدل وانصاف کے ساتھ تصرف کرتا ہے،اور میں نے اسی کی جناب میں پناہ لے لی ہے،اور وہ ظلم کو گوارہ نہیں کرتا ہے، اورتم ظالم ہو،اسی لیے وہ تمہیں مجھ پر غالب نہیں ہونے دے گا۔(تیسیر الرحمن)

﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ (57) ﴾

’’پھر اگر تم منہ موڑ دو تو یقیناً میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور کو جانشین بنائے گا اور اسے تم کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے،یقیناً میرا رب ہر چیز پر اچھی طرح نگہبان ہے۔‘‘(57)

سوال1: ﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ﴾ ’’پھر اگر تم منہ موڑ دو تو یقیناً میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ﴾ ’’پھر اگر تم منہ موڑ دو تو یقیناً میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا‘‘ سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو نصیحت کی اس کا اختتامی حصہ ہے۔(2)انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو پیغام پہنچا دیا اب اگر تم جھٹلاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف سے منہ موڑو گے جس کی طرف سے میں تمہیں بلاتا ہوں،تو اس کا وبال تمہارے اوپر ہوگا،میرے ذمے کوئی چیز نہیں،میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا۔

سوال2: ﴿ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ﴾ ’’اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور کو جانشین بنائے گا اور اسے تم کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ ’’اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور کو جانشین بنائے گا‘‘یعنی میرا رب تمہیں ہلاک کر دے گا اور تمہاری جگہ ان لوگوں کو لائے گا جو اس کو ایک مانتے ہوں گے اور اس کی عبادت میں مخلص ہوں گے۔(2)یعنی کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔(جامع البیان:65/12)(3)اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے گا اور کسی دوسری قوم کو لائے گا جو تمہاری اراضی اور اموال کی مالک بن جائے گی اور تمہارے کفر وعناد یا تمہاری ہلاکت سے اللہ تعالیٰ کی سلطنت وحکومت میں کوئی کمی نہیں آجائے گی،جو کچھ نقصان ہوگا تمہارا ہوگا۔(تیسیر الرحمن)(4)﴿ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ﴾ ’’اور اسے تم کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے‘‘ تمہارا شرک اور نافرمانی اسے کوئی نقصان

نہیں پہنچاسکتی ۔(5) کیونکہ تمہارا ضرر تمہاری طرف ہی لوٹے گا۔اہل معاصی کی معصیت اسے کوئی نقصان پہنچاسکتی ہے نہ اہل اطاعت کی اطاعت اسے کوئی فائدہ پہنچاسکتی ہے۔﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ﴾ جس نے نیک عمل کیا تو اس کے اپنے ہی لیے ہے اور جس نے برائی کی سواسی پر ہے۔(سورہ حم السجدہ:46)(تفسیر سعدی:2/1206,1207)(6) سیدنا ابوادریس خولانی ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر، تمہارے انسان اور جنات سب اس شخص کی طرح ہوجائیں جس کے دل میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے تو یہ بات میری بادشاہی میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتی۔اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر، تمہارے انسان اور جنات اس شخص کی طرح ہوجائیں جو تم میں سے سب سے زیادہ فاجر وفاسق ہے تو یہ چیز میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں کرسکتی۔''(صحیح مسلم:6572)

سوال3: ﴿ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴾ ''یقیناً میرا رب ہر چیز پر اچھی طرح نگہبان ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔(2) اللہ تعالیٰ تمہاری ہر حرکت کے بارے میں خبر رکھنے والا ہے، اسے ہر ذرے کی خبر ہے۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (58) ﴾

''اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے ہود کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی اور ہم نے انہیں ایک بہت سخت عذاب سے بچایا۔''(58)

سوال: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ ''اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے ہود کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی اور ہم نے انہیں ایک بہت سخت عذاب سے بچایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا ﴾ ''اور جب ہمارا حکم آ گیا'' جب وہ دردناک وقت آن پہنچا جس سے انہیں ڈرایا گیا تھا۔(2) جب خیر وبرکت سے خالی، عذاب کی آندھی چل پڑی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ ﴾ عاد نے جھٹلایا تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا؟ اور یقیناً ہم نے دائمی نحوست کے دن ان پر تند وتیز ہوا بھیج دی۔ وہ لوگوں کو اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی گویا وہ کھجور کے اکھڑے ہوئے تنے ہوں۔ پھر کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا؟ (القمر:18-21)(3)﴿ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ ''اور ہم نے انہیں ایک بہت سخت عذاب سے بچایا'' یعنی اس بڑے عذاب سے جو قوم ہود پر آیا۔اس عذاب نے ان کی ایسی حالت بنا دی کہ ہر چیز

بوسیدہ ہڈی کی مانند ہوگئی ۔﴿ مَا تَذَرُ مِنۡ شَیۡءٍ اَتَتۡ عَلَیۡهِ اِلَّا جَعَلَتۡهُ کَالرَّمِیۡمِ ﴾ کسی چیز کو وہ نہ چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اسے بوسیدہ ہڈی جیسا بنا چھوڑتی ۔(الذاریات:42)

﴿ وَتِلۡكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ وَعَصَوۡا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ (59) ﴾

''اور یہ تھے عاد! جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر زبردست جابر سخت عناد رکھنے والے کے حکم کی پیروی کی ۔''(59)

سوال: ﴿ وَتِلۡكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ وَعَصَوۡا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ ﴾ ''اور یہ تھے عاد! جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر زبردست جابر سخت عناد رکھنے والے کے حکم کی پیروی کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ وَتِلۡكَ عَادٌ ﴾ ''اور یہ تھے عاد!''یعنی یہ تھے عاد جن پر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرمایا ۔(2)﴿ جَحَدُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ ﴾ ''جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا'' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو، اس کے رسولوں کو جھٹلایا ۔(3)انہوں نے کفر باللہ کا ارتکاب کیا تھا اور آفاق وانفس میں موجود ان نشانیوں کا انکار کردیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل تھیں ۔(تیسیر الرحمن)(4)قوم عاد کو سیدنا ہود علیہ السلام کی دعوت کی سچائی کے بارے میں یقین تھا انہوں نے تعصب اور ضد کی وجہ سے انکار کیا تھا ۔(5)﴿ وَعَصَوۡا رُسُلَهٗ ﴾ ''اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی'' قوم عاد نے رسولوں کی نافرمانی کی تھی ۔جو کسی ایک رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ سبھی کی نافرمانی کرتا ہے کیونکہ رسولوں کی دعوت ایک ہے ۔(6)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی ۔(صحیح مسلم:4747)(7)﴿ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ ﴾ ''اور ہر زبردست جابر سخت عناد رکھنے والے کے حکم کی پیروی کی''انہوں نے سرکش لوگوں کی باتیں مانیں ۔ہر جبار کی جو جبر سے بندوں پر مسلط ہو جاتا ہے ۔اور ہر عنید کی جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کی آیات سے دشمنی رکھتا ہے ۔(8)عنید اور عنود اور عاند سب کے معنی ایک ہی ہیں یعنی سرکش مخالف اور یہ جبار کی تاکید ہے ۔(بخاری کتاب التفسیر)(9)جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ عناد رکھتا ہے ۔انہوں نے ہر خیر خواہ اور مشفق کی نافرمانی کی اور ہر دھوکے باز کی پیروی کی جو ان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے ۔(تفسیر سعدی:1207/2)

﴿ وَاُتۡبِعُوۡا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا لَعۡنَةً وَّیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّعَادٍ قَوۡمِ هُوۡدٍ (60) ﴾

''اور ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی، سن لو! یقیناً عاد نے اپنے رب کا کفر کیا، سن لو! ہلاکت ہے عاد

کے لیے، جو ہود کی قوم تھی۔''(60)

سوال:﴿ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴾''اوران کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی،سن لو!یقیناً عاد نے اپنے رب کا کفر کیا،سن لو!ہلاکت ہے عاد کے لیے، جو ہود کی قوم تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اوران کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی گئی''ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوراہل ایمان کی طرف سے ہر دور میں لعنت ٹوٹ پڑی۔ان پر لوگ لعنت کرتے ہیں جو کبھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔(2)سیدنا قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دو لعنتیں ان کا پیچھا کریں گی ایک دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔(3)﴿ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ﴾''سن لو!یقیناً عاد نے اپنے رب کا کفر کیا'' دیکھو عاد نے اپنے رب کا ،رازق کا انکار کر دیا۔(4)﴿ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴾''سن لو!ہلاکت ہے عاد کے لیے، جو ہود کی قوم تھی'' اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر برائی کے قریب اور ہر بھلائی سے دور کر دیا تھا۔(5)مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم عاد سے غایت درجہ غضب ناک تھا اوران سے اس کی نفرت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔(تیسیر الرحمٰن:650/1)

رکوع نمبر:6

﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ(61) ﴾

''اورثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا،اس نے کہا:''اے میری قوم!اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو،اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں،اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اوراس میں تمہیں آباد کیا،چنانچہ تم اس سے بخشش مانگو پھر اسی کی جانب رجوع کرو،یقیناً میرا رب بہت قریب ہے،قبول کرنے والا ہے۔''(61)

سوال1:﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ﴾''اورثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ ﴾''اورثمود کی طرف'' قوم ثمود کا زمانہ قوم عاد کے بعد کا ہے۔ثمود عاد ثانیہ کے نام سے معروف ہیں۔ان کی آبادیاں شام اور حجاز کے درمیان وادی القریٰ اوراس کے نواح میں تھیں۔(2)جب نبی ﷺ 9ھ میں تبوک تشریف لے جارہے تھے تو ان کی آبادیوں اور مکانوں کے کھنڈرات سے گزرے تھے۔(مختصر ابن کثیر:600)(3)﴿ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ﴾''ان کے بھائی صالح کو بھیجا''یعنی ثمود کی طرف ان کی قوم کے ایک شخص صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جوان کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔(4)صالح علیہ السلام ہود علیہ السلام کے سو سال کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور دوسو اسی (280) سال زندگی پائی تھی۔(تیسیر الرحمٰن)

سوال2:﴿ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ﴾''اس نے کہا:''اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ ﴾ ''اس نے کہا: اے میری قوم: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو'' سیدنا صالح علیہ السلام نے بھی سیدنا ہود علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی کہ اسی کو ایک مانو، اسی کے لئے دین کو خالص کرو۔(2) شیخ صالح ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ واسطیہ کی شرح میں لکھتے ہیں ''ہم سب اللہ تعالیٰ کے لئے پیدا کئے گئے، ہماری زندگی کا مقصد عبادت ہے، تاکہ ہمارے دل محبت اور تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جڑ جائیں۔''(3) سیدنا صالح علیہ السلام نے لوگوں کو زندگی کا مقصد پورا کرنے کی دعوت دی اور حق کی طرف بلایا۔(4) ﴿ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ﴾ ''اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں'' یعنی اس نے تمہیں پیدا کیا، اسی نے زمین پر بسایا اس لئے اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو۔

سوال3:﴿ هُوَ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِيۡهَا ﴾''اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمہیں آباد کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ هُوَ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ﴾''اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا'' یعنی اس نے تمہاری تخلیق کا آغاز زمین سے کیا یہ اس لئے کہا کیونکہ آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا کیا گیا۔(جامع البیان:66/12)(2) سیدنا آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اور جو قطرۂ منی انسان کی پیدائش کا ذریعہ ہے، اس کے اجزائے ترکیبی میں مٹی ہی بنیادی عنصر ہے۔(تیسیر الرحمن)(3)﴿ وَاسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِيۡهَا ﴾''اور اس میں تمہیں آباد کیا'' یعنی تمہیں زمین میں آباد کیا، اور اسے آباد رکھنے کی تمہارے اندر صلاحیت ودیعت کی۔(تیسیر الرحمن)(4) یعنی تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا، تمہیں ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا، تمہیں زمین میں تمکن واقتدار عطا کیا، تم عمارتیں بناتے ہو، باغات لگاتے ہو اور کھیتیاں اگاتے ہو، جو چاہتے ہو کاشت کرتے ہو، اس سے منفعت حاصل کرتے ہو اور اسے اپنے مصالح اور مفاد میں استعمال کرتے ہو۔ جس طرح ان تمام امور میں اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی عبادت میں بھی کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔(تفسیر سعدی:1208،1209/2)

سوال4:﴿ فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ قَرِيۡبٌ مُّجِيۡبٌ ﴾''چنانچہ تم اس سے بخشش مانگو پھر اسی کی جانب رجوع کرو، یقیناً میرا رب بہت قریب ہے، قبول کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ﴾''چنانچہ تم اس سے بخشش مانگو'' یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور ان کی برائیوں سے معافی مانگو اور آئندہ عزم کرو کہ برائی نہ کرو گے۔(مختصر ابن کثیر:843/1)(2) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں سارے گناہوں کو بخشتا ہوں تو تم مجھ سے بخشش مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۔(مسلم:2572)(3) یعنی تم سے کفر، شرک اور دیگر جو گناہ صادر ہوئے ان کی بخشش طلب کرو اور ان گناہوں کو چھوڑ دو۔(4)﴿ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا

﴿اِلَيۡهِ﴾ '' پھراسی کی جانب رجوع کرو''یعنی خالص توبہ اورانابت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔(تفسیرسعدی:1209/2)(5)﴿اِنَّ رَبِّیۡ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ﴾ ''یقیناً میرارب بہت قریب ہے،قبول کرنے والا ہے''یعنی میرا رب اس کے قریب ہے جوعبادت کواس لئے خالص کرے اورتوبہ میں رغبت رکھے۔(جامع البیان:66/12)(6)اللہ تعالیٰ قریب ہے وہی امیدوں کو پورا کرنے والا ہے۔ جواس سے سوال کرے یاعبادت کے لئے پکارے وہ اس کے قریب ہے۔(تفسیرسعدی:1208,1209/2)

﴿قَالُوۡا یٰصٰلِحُ قَدۡ کُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ ھٰذَاۤ اَتَنۡھٰنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ(62)﴾

''انہوں نے کہا:''اے صالح!اس سے پہلے تم پرامیدیں رکھی گئی تھیں،کیاتم ہمیں اس سے روکتے ہوکہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟اور بلاشبہ یقیناً ہم اس کے بارے میں ایک بےچین رکھنے والے شک میں ہیں جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو۔''(62)

سوال1:﴿قَالُوۡا یٰصٰلِحُ قَدۡ کُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ ھٰذَاۤ﴾ ''انہوں نے کہا:''اے صالح!اس سے پہلے تم پرامیدیں رکھی گئی تھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالُوۡا﴾ قوم ثمود نے سیدنا صالح عَلَیْہِ السَّلَام سے کہا۔(2)﴿یٰصٰلِحُ قَدۡ کُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ ھٰذَاۤ﴾ ''اے صالح!اس سے پہلے تم پرامیدیں رکھی گئی تھیں''،ثمودیوں نے صالح عَلَیْہِ السَّلَام کی اخلاص کی دعوت کوٹھکرادیااور کہنے لگے ہم تو تم سے بہت امیدیں لگا بیٹھے تھے کہ تم ہمارے سردار ہوگے۔(3)سیدنا صالح عَلَیْہِ السَّلَام اپنے علم،عقل مندی،ذہانت،سچائی،اورحسن تدبیر کے اعتبار سے ایک ایسی شخصیت تھے۔جن سے قوم نے امیدیں وابستہ کرلی تھیں کہ ان کی صلاحیتیں قوم کے کام آئیں گی اوروہ قوم کے حق میں کارآمد ثابت ہوں گے۔اورمروجہ دین کے مضبوط ستون ثابت ہوں گے۔(4)یہ ان کی طرف سے ان کے نبی سیدنا صالح عَلَیْہِ السَّلَام کے حق میں ایک گواہی ہے کہ وہ مکارم اخلاق اورمحاسن عادات میں معروف تھے اوروہ اپنی قوم میں بہترین شخص گردانے جاتے تھے۔مگر جب وہ یہ دعوت توحید لے کرآئے جوان کی فاسد خواہشات کے موافق نہ تھی تب انہوں نے یہ بات کہی۔(تفسیرسعدی:1210/2)(5)انہوں نے دراصل یہ اعلان کیا تھا کہ اب تم سے کسی بھلائی کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔

سوال2:﴿اَتَنۡھٰنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ ''کیاتم ہمیں اس سے روکتے ہوکہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَتَنۡھٰنَاۤ﴾ ''کیاتم ہمیں اس سے روکتے ہو''کیاتم ہمیں ہمارے قدیم دین سے روکنا چاہتے ہو؟(2)﴿اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ

﴿اٰبَآؤُنَا﴾ ''کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟'' تم ہمیں اس بات سے روکنا چاہتے ہو کہ ہم اپنے باپ دادا کے دین پر چلیں ۔تم ہمارے بڑوں سے بڑھ کر نہیں ہو سکتے کہ ہمیں نیا دین سکھاؤ اور ہم مان لیں ۔(3) وہ سیدنا صالح عَلَیْہِ السَّلَام کی عقل پر حیران تھے کہ ان کے آباؤ اجداد کو بے عقل کہتے ہیں انہیں یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ صالح عَلَیْہِ السَّلَام کیسے انہیں ان ہستیوں کی عبادت سے روک سکتے ہیں جو نہ نفع دے سکتی ہیں، نہ نقصان ۔وہ کیسے یہ کہتے ہیں کہ مٹی، پتھر، لکڑی کے بت کام نہیں آسکتے ؟

سوال3: ﴿وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم اس کے بارے میں ایک بے چین رکھنے والے شک میں ہیں جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم اس کے بارے میں ایک بے چین رکھنے والے شک میں ہیں'' قوم ثمود نے کہا کہ ہمارے دلوں کا اطمینان اٹھ گیا ہے ہم قلق میں ہیں جو تم ہمیں دعوت دیتے ہو۔(2)﴿مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ﴾ ''جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو'' صالح عَلَیْہِ السَّلَام انہیں دعوت دیتے تھے کہ عبادت کو اپنے رب کے لئے خالص کرو، وہ تم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے، تمہیں انعامات سے نوازتا ہے، تم اسی کا دیا کھاتے ہو، اسی کی زمین پر رہتے ہو پھر اسی کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔تمہیں جو بھی نعمت ملتی ہے اسی کی جانب سے اور جو تکلیف دور ہوتی ہے اسی کی جانب سے ۔(3) اس دعوت نے ان کے دلوں میں ایمان کی بجائے شبہات کو جنم دیا وہ کہتے تھے اگر ہم تمہاری دعوت کو صحیح سمجھتے تو فوراً ایمان لے آتے ۔وہ دعوت قبول کرنے کے بارے میں جھوٹ بولتے تھے۔

﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ (63)﴾

''اس نے کہا: ''اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا بلاشبہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا کی ہے تو مجھے اللہ تعالیٰ سے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو سوائے خسارہ پہنچانے کے تم مجھے کیا زیادہ دو گے؟''(63)

سوال:﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ﴾ ''اس نے کہا: ''اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا بلاشبہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا کی ہے تو مجھے اللہ تعالیٰ سے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو سوائے خسارہ پہنچانے کے تم مجھے کیا زیادہ دو گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ﴾ سیدنا صالح عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا۔(2)﴿یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ ''اے میری قوم! کیا تم نے

دیکھا بلاشبہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں" سیدنا صالح علیہ السلام نے اپنی دعوت کی دلیل پیش کی کہ میرے پاس میرے رب کی نشانی ہے مجھے اپنی رسالت پر مکمل یقین ہے اور میں رب کی طرف سے برہان اور دلیل پر ہوں۔ (3)﴿ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً ﴾ "اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا کی ہے" اس نے مجھے اپنی رحمت سے یعنی رسالت سے نوازا ہے۔ اگر میں نے تمہیں پیغام نہ پہنچایا تو میں اپنے رب کی نافرمانی کروں گا۔ (4)﴿ فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ﴾ "تو مجھے اللہ تعالیٰ سے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں" یہ بتاؤ کہ میں رب کی نہ مانوں اور تمہاری مان لوں تمہاری پیروی کروں تو مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچائے گا؟ کون میری مدد کرے گا؟ کون میرے کام آئے گا؟ (5)﴿ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴾ "تو سوائے خسارہ پہنچانے کے تم مجھے کیا زیادہ دو گے؟" تم خسارے اور ہلاکت کے سوا میرے لئے کسی چیز میں اضافہ نہیں کرو گے۔ (6) تم جو میری ہمت پست بنا رہے ہو اور چاہتے ہو کہ دعوت کا کام چھوڑ دوں، تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ میں خائب و خاسر ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ کے عقاب کا مستحق ہو جاؤں گا۔ (تیسیر الرحمٰن:651)

﴿ وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ(64) ﴾

"اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے چنانچہ اسے چھوڑ دو یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں قریب کا عذاب پکڑ لے گا۔" (64)

سوال1: ﴿ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴾ "اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے چنانچہ اسے چھوڑ دو یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں قریب کا عذاب پکڑ لے گا" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ﴾ "اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے" سیدنا صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ ﴾ اور ہمیں نہیں روکا کہ ہم معجزات بھیجیں مگر یہ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ان کو جھٹلا دیا تھا اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کا واضح معجزہ دیا چنانچہ انہوں نے اس پر بھی ظلم کیا اور ہم خوف دلانے کے لیے ہی معجزات بھیجتے ہیں۔ (بنی اسرائیل:59) (2) یہ اونٹنی انہیں بصیرت کے لئے دی گئی تھی۔ (3)﴿ فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ ﴾ "چنانچہ اسے چھوڑ دو یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے" اس اونٹنی کو چارہ کھلانے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔ آپ اسے کھلا چھوڑ دو۔ کنویں سے ایک دن صرف اونٹنی پانی پیئے

گی پھر سب لوگ اس کے تھنوں سے دودھ پیئیں گے اور ایک دن باقی لوگوں کے پینے کا ہوگا۔(4)﴿ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ ﴾'' اور اسے برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا''یعنی تم اونٹنی کو قتل کی نیت سے ہاتھ نہ لگانا۔(5)﴿ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴾'' ورنہ تمہیں قریب کا عذاب پکڑ لے گا'' سیدنا صالح عَلَیْہِ السَّلَام نے اونٹنی کو تکلیف دینے یا قتل کرنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید سنائی کہ وہ دور نہیں قریب سے آ پکڑے گا۔اس لئے اونٹنی کو قتل نہ کرو۔

﴿ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ(65) ﴾

'' تو انہوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تو صالح نے کہا:'' تین دن تک تم اپنے گھروں میں خوب فائدہ اٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا گیا۔''(65)

سوال: ﴿ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴾'' تو انہوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تو صالح نے کہا:'' تین دن تک تم اپنے گھروں میں خوب فائدہ اٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَعَقَرُوهَا ﴾'' تو انہوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں'' وہ سب اونٹنی کو مار ڈالنے کے لئے متفق ہو گئے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴾ اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے تھے اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے۔(النمل:48)(2)شہر کے نو بڑے لوگوں نے قوم کو اپنا ہم نوا بنالیا پھر سب سے بڑے بدبخت نے اونٹنی کو تیر مارا جو اس کی ٹانگ میں پیوست ہو گیا اس طرح وہ اونٹنی قتل کر دی گئی۔(3)نبی ﷺ نے خطبے کے دوران اس قوم کا ذکر کیا جنہوں نے اونٹنی کو ذبح کر دیا تھا۔آپ نے فرمایا خدا کی قسم! بھیجی ہوئی اس اونٹنی کو ذبح کرنے والا قوم کا ایک بہت ہی باعزت آدمی (قیدار نامی) تھا جیسے ہمارے زمانے میں ابوزمعہ (اسود بن مطلب) ہے۔(صحیح بخاری:3377)(4)سیدنا عمار بن یاسر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے فرمایا:'' کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ سب سے زیادہ بدبخت کون ہے؟''انہوں نے کہا:'' جی ہاں! فرمایئے'' نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا:'' دو شخص ہیں۔ایک تو ثمود کا سرخ فام آدمی جس نے اونٹنی کو قتل کیا تھا، اور ایک وہ جو تجھے، اے علی! اس جگہ (یعنی سر پر) ضرب لگائے گا جس سے یہ (یعنی داڑھی) تر ہو جائے گی۔''(سلسلہ احادیث صحیحہ:1888)(5)﴿ فَقَالَ ﴾'' تو صالح نے کہا'' جب اونٹنی کے قتل کی اطلاع سیدنا صالح عَلَیْہِ السَّلَام کو ملی تو وہ دوڑتے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئے جو ایک جگہ جمع تھے وہ اونٹنی کو دیکھ کر رو دیے اور انہوں نے فرمایا۔(6)﴿ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴾'' تین دن تک تم اپنے گھروں میں خوب فائدہ اٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا گیا'' وہ بدھ کا دن تھا جس روز یہ ہولناک واقعہ پیش آیا۔سیدنا صالح عَلَیْہِ السَّلَام نے اس کے بارے میں یقین دلایا کہ یہ ایسا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِىٕذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ(66) ﴾

''چنانچہ جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کونجات دی اوران لوگوں کو جواس کے ساتھ ایمان لائے تھے،اوراس دن کی رسوائی سے بھی، یقیناً آپ کا رب بے حد قوت والا،سب پر غالب ہے۔''(66)

سوال1:﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِىٕذٍ ؕ ﴾ ''چنانچہ جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کونجات دی اوران لوگوں کو جواس کے ساتھ ایمان لائے تھے،اوراس دن کی رسوائی سے بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا ﴾ ''چنانچہ جب ہمارا حکم آ گیا'' یعنی جب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے واقع ہونے کا وقت آ گیا۔(2)﴿ نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ﴾ ''تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کو نجات دی اوران لوگوں کو جواس کے ساتھ ایمان لائے تھے'' یعنی جب قوم ثمود پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل سے اہل ایمان کو بچا لیا۔(3)﴿ وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِىٕذٍ ﴾ ''اوراس دن کی رسوائی سے بھی'' یعنی اس دن کے عذاب اوررسوائی سے بچالیا۔

سوال2:﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴾ ''یقیناً آپ کا رب بے حد قوت والا،سب پر غالب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ ﴾ ''یقیناً آپ کا رب بے حد قوت والا ہے'' بے شک تیرے رب کی پکڑ ایسی ہے جب وہ کسی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو ایسے ہلاک کر دیتا ہے جیسے ثمود کو ہلاک کیا۔ یہ اس کی قوت کی دلیل ہے کہ وہ سرکش قوموں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔(2)﴿ الْعَزِيْزُ ﴾ ''سب پر غالب ہے'' اس کے غلبے کی دلیل ہے کہ وہ انبیاء اور مرسلین کو بچا کر سرکشوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔

﴿ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ(67) ﴾

''اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک ہولناک آواز نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔''(67)

سوال1:﴿ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک ہولناک آواز نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے رہ گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ ﴾ ''ور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک ہولناک آواز نے پکڑ لیا'' یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرایا اوراس کی آیات کو جھٹلایا انہیں چنگھاڑ نے آ پکڑا جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔(ایسر التفاسیر:650)(2)﴿ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ ''تو وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔'' ابن زید نے کہا کہ

وہ اپنے گھروں میں مردہ پڑے تھے۔(ابن ابی حاتم)(3)یعنی وہ اپنے چہروں اور گھٹنوں کے بل ساقط پڑے تھے۔(4)اگرچہ ان میں سے صرف ایک شخص نے اونٹنی کو زخمی کیا تھا لیکن اسے چونکہ سب کی رضامندی اور تائید حاصل تھی اس لئے سبھی کو اس جرم کا مرتکب قرار دیا گیا۔(اشرف الحواشی:275/1)

﴿كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ(68)﴾

''گویا ان میں وہ بسے ہی نہ تھے۔سن لو! بلاشبہ ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا تھا،سن لو! دوری ہے ثمود کے لیے۔''(68)

سوال1: ﴿كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ﴾ ''گویا ان میں وہ بسے ہی نہ تھے۔سن لو! بلاشبہ ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا تھا،سن لو! دوری ہے ثمود کے لیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ﴾ ''گویا ان میں وہ بسے ہی نہ تھے'' گویا کہ وہ اپنی بستیوں میں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے گویا کہ انہوں نے کسی دن بھی نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔(2)اوران کی بستیاں ایسی ویران وسنسان ہوگئیں کہ جیسے پہلے سے وہاں کوئی رہتا ہی نہ تھا۔(تیسیر الرحمن)(3)یہ منظر زندگی اور موت کے درمیان کا منظر ہے جو تیزی کے ساتھ گزر جاتا ہے انسان محسوس کرتا ہے گویا زندگی خواب وخیال ہے انسان کو اپنی زندگی مختصر لگنے لگتی ہے۔(4)﴿أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ﴾ ''سن لو! بلاشبہ ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا تھا'' ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا تو عذاب کے مستحق ہوگئے۔(الاساس فی التفسیر)(5)ثمودیوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے واضح نشانیاں آئیں مگر انہوں نے انکار کر دیا تو ان پر ایسا عذاب آیا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا ہمیشہ رہے گا۔(6)﴿أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ﴾ ''سن لو! دوری ہے ثمود کے لیے'' یعنی ہلاکت ہے ثمودیوں کے لئے۔(7)یہ آیت خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم عاد کی طرح قوم ثمود سے بھی غایت درجہ غضب ناک تھا،اوران سے اس کی نفرت انتہاء کو پہنچ گئی تھی۔اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے ان پر لعنت وبربادی مسلط کر دی۔(تیسیر الرحمن)(8)سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہیں ان لوگوں کی بستی سے گزرنا پڑے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو روتے ہوئے گزرو کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ آ پکڑے جس میں یہ ظالم لوگ گرفتار کیے گئے تھے۔(صحیح بخاری:3381)(9)رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ثمود کی بستی میں غزوۂ تبوک کے لیے جاتے ہوئے پڑاؤ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ یہاں کے کنوؤں کا پانی نہ پینا اور نہ اپنے برتنوں میں ساتھ لینا صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے تو اس سے اپنا آٹا بھی گوندلیا ہے اور پانی بھی اپنے برتنوں میں رکھ لیا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ گوندھا ہوا آٹا پھینک دیا جائے۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ جس نے آٹا اس پانی سے گوندلیا ہو وہ اسے پھینک دے۔(صحیح بخاری:3378)(10)کتنے بدبخت تھے ثمود! یا اللہ ہم تیرے عذاب سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

رکوع نمبر:7

﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (69) ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوش خبری کے ساتھ آئے، انہوں نے کہا سلام ہے، اس نے کہا سلام ہے، پھر اس نے دیر نہیں کی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔''(69)

سوال1: ﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوش خبری کے ساتھ آئے، انہوں نے کہا سلام ہے، اس نے کہا سلام ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً آئے ہمارے فرشتے'' یعنی جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے انسانی شکل میں آئے۔ (2) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب وہ فلسطین میں قیام پذیر تھے۔ (3) ﴿ بِالْبُشْرٰى ﴾ ''خوش خبری کے ساتھ'' یعنی بیٹے کی خوش خبری کے ساتھ۔ (4) فرشتے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی خوش خبری دینے کے لیے آئے۔ (5) یہ خوش خبری سیدنا اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد سیدنا یعقوب علیہ السلام کی تھی۔ (ایسر التفاسیر:651) (6) ﴿ قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ﴾ ''انہوں نے کہا سلام ہے، اس نے کہا سلام ہے'' یعنی فرشتوں نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا اور ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا۔ اس آیت مقدسہ میں سلام کرنے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ملت ابراہیمی میں کلام کرنے سے پہلے سلام کا طریقہ ہمیشہ سے رہا ہے اور مناسب یہ ہے کہ سلام کا جواب سلام کرنے سے زیادہ بلیغ ہو، کیونکہ ان کا سلام جملہ فعلیہ کے ذریعے سے تجدد پر دلالت کرتا ہے اور جملہ اسمیہ کے ذریعے سے ان کے سلام کا جواب ثبات اور استمرار پر دلالت کرتا ہے، دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جیسا کہ عربی زبان کے علم میں معروف ہے۔ (تفسیر سعدی :1213/2) (7) اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۱ ﴾ پھر جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ (النور:61) (7) فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝۸۶ ﴾ اور جب تمہیں سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم اس سے بہتر سلامتی کی دعا دو یا اتنا ہی لوٹا کر دو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا پورا حساب کرنے والا ہے۔ (النساء:86)

سوال2: ﴿ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴾ ''پھر اس نے دیر نہیں کی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴾ ''پھر اس نے دیر نہیں کی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا'' جب فرشتے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انھوں نے ان کی مہمان نوازی میں تاخیر نہیں کی۔ (2) ﴿ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴾ ''ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے اس لیے انھوں نے فوراً موٹا تازہ اور گرم پتھر پر بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا۔

سوال3: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے طرز عمل سے مہمان نوازی کے بارے میں کیا راہ نمائی ملتی ہے؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے طرز عمل سے ہمیں یہ راہ نمائی ملتی ہے: (1) مہمان نوازی کے آداب میں سے یہ ہے کہ مہمان کے آتے ہی جو کچھ کھانے پینے کی چیز میسر ہو اور جلدی سے مہیا ہو سکے وہ لا رکھے، پھر اگر صاحب وسعت ہے تو مزید مہمانی کا انتظام بعد میں کرے۔ (قرطبی) (2) مہمان کے لئے بہت زیادہ تکلفات کی فکر میں نہ پڑے۔ (3) آنے والوں کی مہمانی کرنا آداب اسلام اور مکارم اخلاق میں سے ہے۔ انبیاء وصلحاء کی عادت ہے۔ (معارف القرآن: 648,649/4)

﴿ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (70) ﴾

"توجب دیکھا ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں پہنچ رہے تو انہیں اجنبی جانا اور ان سے ایک قسم کا خوف محسوس کیا، انہوں نے کہا: "ڈرو نہیں بلاشبہ ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔" (70)

سوال1: ﴿ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ﴾ "توجب دیکھا ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں پہنچ رہے تو انہیں اجنبی جانا اور ان سے ایک قسم کا خوف محسوس کیا" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ ﴾ "توجب دیکھا ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں پہنچ رہے" جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ مہمان کھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہیں۔ (2) ﴿ نَكِرَهُمْ ﴾ "انہیں اجنبی جانا" نکرھم اور انکرھم اور استنکرھم سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی ان کو پردیسی سمجھا۔ (بخاری کتاب التفسیر) (3) ﴿ اَوْجَسَ ﴾ "محسوس کیا" یعنی انھیں ان سے خوف محسوس ہونے لگا۔ (4) ﴿ مِنْهُمْ خِيْفَةً ﴾ "ان سے ایک قسم کا خوف" ابراہیم علیہ السلام دل میں ان سے ڈرے اور خیال کیا کہ کہیں برے ارادے سے تو نہیں آئے۔ (5) دیہاتی لوگ کھانا کھانے کے بعد گھر والوں سے برائی کرنے سے باز رہتے تھے۔ جب مہمانوں نے کھانا نہ کھایا تو سیدنا ابراہیم کو علیہ السلام خوف لاحق ہوا کہ شاید دشمنی کا ارادہ ہے۔ (6) فرشتے چونکہ قوم لوط کو تباہ کرنے کی غرض سے آئے تھے اس لیے ان کے چہروں پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ (تیسیر القرآن: 359/2) (7) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خوف فرشتوں کی اصلیت کے بارے میں جاننے سے پہلے کا تھا۔

سوال2: ﴿ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ "انہوں نے کہا: "ڈرو نہیں بلاشبہ ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالُوْا ﴾ "انہوں نے کہا" فرشتوں نے کہا۔ (2) ﴿ لَا تَخَفْ ﴾ "ڈرو نہیں" یعنی آپ ہم سے خوف نہ کھائیں ہم تو فرشتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (3) ﴿ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قوم لوط کے جرائم کی وجہ سے ان کی ہلاکت کے لیے بھیجا ہے۔ (ایسر التفاسیر: 651) (4) سیدنا لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے۔ (ایسر التفاسیر: 651)

﴿ وَامۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَ مِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ (71) ﴾

’’اوراس کی بیوی کھڑی تھی،سووہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کواسحاق اوراسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت سنائی۔‘‘(71)

سوال1:﴿ وَامۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ﴾’’اوراس کی بیوی کھڑی تھی،سووہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کواسحاق اوراسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت سنائی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَامۡرَاَتُهٗ ﴾’’اوراس کی بیوی‘‘یعنی سیدہ سارہ بنت ہارون جو کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی بیٹی تھیں۔(جامع البیان)(2)﴿ قَآئِمَةٌ ﴾’’کھڑی تھی‘‘وہ پردے کے پیچھے کھڑی تھیں اور فرشتوں اور ابراہیم علیہ السلام کی بات چیت سن رہی تھیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کی خدمت کے لیے کھڑی تھیں جب کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس بیٹھے تھے۔(جامع البیان)(3) سیدنا ابراہیم علیہ السلام اوران کی بیوی ،دونوں ہی مہمانوں کی خدمت میں لگے ہوئے تھے،ابراہیم بیٹھے تھے اور سارہ کھڑی تھی۔کھانے کی چیزیں مہمانوں کے آگے لاکرر کھ رہی تھیں۔(تیسیر الرحمٰن:653/1)(4)﴿ فَضَحِكَتۡ ﴾’’وہ ہنس پڑی‘‘وہ خوشی اور حیرت سے ہنس پڑیں کہ جنہیں انسان سمجھا وہ فرشتے نکلے۔(5) سیدہ سارہ اس بات سے خوش ہوئیں کہ فرشتے کسی سزا کی نیت سے ان کے پاس نہیں آئے۔(6)﴿ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ﴾’’تو ہم نے اس کواسحاق اوراسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت سنائی‘‘ یہ خوش خبری سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بجائے سیدہ سارہ کواس لئے دی گئی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں توان کی دوسری بیوی سیدہ ہاجرہ سے سیدنا اسمٰعیل پیدا ہو چکے تھے لیکن سیدہ سارہ ابھی تک بے اولاد تھیں۔(اشرف الحواشی:276/1)(7)اس سال سیدہ سارہ کی عمر نوے 90 تھی اور ایک قول کے مطابق ننانوے 99 سال تھی اورابراہیم علیہ السلام ایک سو100یاایک سوبیس120 سال کے تھے۔(تیسیر الرحمٰن)

﴿ قَالَتۡ يٰوَيۡلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِىۡ شَيۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ (72) ﴾

’’اس نے کہا:’’ہائے میری بربادی! کیا میں جنم دوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں بلاشبہ یہ یقیناً بڑی عجیب چیز ہے۔‘‘(72)

سوال:﴿ قَالَتۡ يٰوَيۡلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِىۡ شَيۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ ﴾’’اس نے کہا:’’ہائے میری بربادی! کیا میں جنم دوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں بلاشبہ یہ یقیناً بڑی عجیب چیز ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَتۡ ﴾’’اس نے کہا‘‘سیدہ سارہ نے کہا۔(2)﴿ يٰوَيۡلَتٰٓى ﴾’’ہائے میری بربادی‘‘اولاد کی بشارت سن کر سیدہ سارہ نے تعجب کا اظہار کیا۔(3)﴿ ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ ﴾’’یامیں جنم دوں گی اور میں بڑھیا ہوں‘‘یعنی میرے ہاں اولاد کیسے ہوگی جب کہ میں بڑھیا ہوں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُهٗ فِىۡ صَرَّةٍ فَصَكَّتۡ وَجۡهَهَا وَقَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِيۡمٌ ۝۲۹ ﴾ تواس کی بیوی حیرت میں آگے

بڑھی پس اس نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور کہا: ''بانجھ بڑھیا ہوں۔''(الذاریات:29)(4)﴿ وَهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ﴾ ''یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں'' وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کہنے لگیں کہ یہ دوسرا امر ہے جو بظاہر اولاد کے لیے رکاوٹ ہے کہ میرا شوہر بوڑھا ہے۔ (ایسر التفاسیر:65)(5)﴿ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴾ ''بلاشبہ یہ یقیناً بڑی عجیب چیز ہے''یعنی بوڑھے میاں بیوی کے ہاں اولاد کا ہونا بڑی عجیب بات ہے۔

﴿ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (73) ﴾

''انہوں نے کہا: ''کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟'' اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! یقیناً وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔''(73)

سوال1:﴿ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ ''انہوں نے کہا: ''کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالُوْٓا ﴾ ''انہوں نے کہا'' فرشتوں نے جواب دیا۔(2)﴿ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ ''کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟'' فرشتوں نے سارہ کی حیرت واستعجاب دیکھ کر کہا کہ تم تو نبی کی بیوی ہو، تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو پھر یہ تعجب کیسا؟ اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ اور یہی حکم ہے۔ تم لوگ نبی کے گھرانے والے ہو، تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔(تیسیر الرحمٰن)(3) عام طور پر پیش آنے والے واقعات ایک عادت کے حکم کے مطابق چل رہے ہوتے ہیں جس پر کوئی تعجب نہیں کرتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ روٹین کے معاملات اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں تبدیلی نہیں آسکتی اللہ تعالیٰ جب چاہے اپنی حکمت کے مطابق حکم بدل سکتا ہے اس لئے تعجب کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔(4) رب العزت نے فرمایا:﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؀ ﴾ یقیناً اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے کہہ دیتا ہے ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتی ہے۔ (یٰس:82)(5) اللہ تعالیٰ اسباب کا نظام بنانے والا، طریقوں کا خالق وہ جو چاہے، جب چاہے، جیسے چاہے کر سکتا ہے وہ عظیم ہے، وہ کریم ہے، وہ رب رحیم ہے۔

سوال2:﴿ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! یقیناً وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) فرشتوں نے کہا اے نبی کے گھر والو تم پر تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں تمہیں تو اس کے حکم پر تعجب نہیں کرنا چاہیے اگرچہ اولاد ہونے کے دور میں اولاد نہیں ہوئی مگر اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے اور تم لوگوں پر اس کی رحمتیں اور برکتیں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے وہ تمھیں اس عمر میں بیٹا دے گا۔(2) یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی خیر اور بھلائی میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا۔(3)﴿ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ

﴿مَّجِيْدٌ﴾ ''یقیناً وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ صفات حمیدہ کا مالک ہے،اس کی تمام صفات،صفات کمال ہیں۔اس کے تمام افعال قابل تعریف ہیں،کیونکہ اس کے تمام افعال احسان، جود، بھلائی،حکمت اورعدل وانصاف پر مبنی ہیں۔(مجید)اور(مجد) سے مراداس کی صفات کی عظمت اور وسعت ہے وہ صفات کمال کا مالک ہے،اس کی ہر صفت کامل،تام اورعام ہے۔(تفسیر سعدی:1214/2)(4)﴿حَمِيْدٌ﴾ حمید فعیل کے وزن پر ہے بہ معنی محمود میں سراہا گیا اور مجید ماجد کے معنی میں ہے۔(یعنی کرم کرنے والا)(بخاری کتاب التفسیر)(5)اللہ تعالیٰ حمید ہے جو افعال میں تعریف کا حق دار ہے وہ مجید ہے اپنی ذات وصفات میں بزرگ ہے۔

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ(74)﴾

''پھر جب ابراہیم سے گھبراہٹ دور ہوگئی اوراس کے پاس خوش خبری آ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔''(74)

سوال: ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾ ''پھر جب ابراہیم سے گھبراہٹ دور ہوگئی اوراس کے پاس خوش خبری آ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ﴾ ''پھر جب ابراہیم سے گھبراہٹ دور ہوگئی''جب فرشتوں کے بارے میں پتا چلا اور بیٹے کی بشارت ملی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خوف جاتا رہا جو فرشتوں کی آمد کے حوالے سے انھیں لاحق ہوا۔﴿وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى﴾ ''اوراس کے پاس خوش خبری آ گئی''فرشتے بیٹے کی ولادت کی خوش خبری کے ساتھ قوم لوط کی ہلاکت کی خوش خبری بھی لے کر آئے تھے۔(ایسر التفاسیر:65)(2)﴿يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾ ''تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا''قوم لوط کی ہلاکت کے بارے میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام جھگڑنے لگے کیونکہ ان کے دل میں مومنوں کے بارے میں دھڑکا تھا۔(3)اس کا تذکرہ ایک اور مقام پر ملتا ہے۔﴿قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڬ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴾ ابراہیم نے کہا:''اس میں لوط بھی ہے۔''انہوں نے کہا: ''ہم زیادہ جاننے والے ہیں کہ اس میں کون ہے؟ ہم یقیناً ضرور اسے اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر اس کی بیوی جو پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔(العنکبوت:32)

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ(75)﴾

''یقیناً ابراہیم نہایت بردبار، بہت آہ وزاری کرنے والا، رجوع کرنے والا تھا۔''(75)

سوال:﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ﴾ ''یقیناً ابراہیم نہایت بردبار، بہت آہ وزاری کرنے والا، رجوع کرنے والا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ﴾ ''یقیناً ابراہیم نہایت بردبار''سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بڑی خوبیاں اس آیت میں بیان کی گئیں۔(2)

سیدنا ابرہیم علیہ السلام بردبار، کشادہ دل اور نرم دل تھے اس لیے انہوں نے قوم لوط پر عذاب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔(تفسیر مراغی:333/4) (3)حلیم وہ ہوتا ہے جو برائی کرنے والے سے انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا۔(4) سیدنا ابراہیم علیہ السلام جہالت برتنے والوں پر غصے کا شکار نہیں ہوتے تھے۔(5)﴿ اَوَّاهٌ ﴾''بہت آہ وزاری کرنے والا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام برائی کرنے والوں اور دکھ دینے والوں پر آہیں بھرنے والے تھے۔(تفسیر مراغی:333/4)(6)جب ابراہیم علیہ السلام برائی دیکھتے یا سنتے تو کثرت سے آہ وزاری کرتے تھے۔(ایسر التفاسیر:652,653) (7)سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہر وقت آہ وزاری کرتے تھے۔(8)﴿ مُّنِيبٌ ﴾''رجوع کرنے والا تھا'' وہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔(تفسیر مراغی:333/4)(9)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: منیب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بڑھنے والا ہو۔(ابن ابی حاتم:20596)(10)یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی محبت، اس کی طرف توجہ کے ساتھ اور ہر ماسوا سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔اسی لیے وہ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑ رہے تھے جن کی ہلاکت کا اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر فیصلہ کر دیا تھا۔(تفسیر سعدی:1215/2)

﴿ يَٰٓإِبۡرَٰهِيمُ أَعۡرِضۡ عَنۡ هَٰذَآۖ إِنَّهُۥ قَدۡ جَآءَ أَمۡرُ رَبِّكَۖ وَإِنَّهُمۡ ءَاتِيهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُودٖ (76) ﴾

''اے ابراہیم! اس سے منہ موڑ لو، حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ تمہارے رب کا حکم آ گیا ہے اور یقیناً ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو ہٹایا جانے والا نہیں ہے۔''(76)

سوال:﴿ يَٰٓإِبۡرَٰهِيمُ أَعۡرِضۡ عَنۡ هَٰذَآۖ إِنَّهُۥ قَدۡ جَآءَ أَمۡرُ رَبِّكَۖ وَإِنَّهُمۡ ءَاتِيهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُودٖ ﴾''اے ابراہیم! اس سے منہ موڑ لو، حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ تمہارے رب کا حکم آ گیا ہے اور یقیناً ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو ہٹایا جانے والا نہیں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ يَٰٓإِبۡرَٰهِيمُ أَعۡرِضۡ عَنۡ هَٰذَآ ﴾''اے ابراہیم! اس سے منہ موڑ لو'' فرشتوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہا اس جھگڑے کو چھوڑ دیں۔(2)جب کوئی شخص اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوتا ہے تو اس کے اندر معافی مانگنے کا جذبہ ابھرتا ہے پھر وہ دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔قوم لوط کے اندر یہ جذبہ نہیں ابھرا تھا اس لیے سیدنا نوح علیہ السلام کی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بھی یہ دعا قبول نہ کی گئی۔کسی کی دعا دوسرے کے حق میں تب قبول ہوتی ہے جب وہ خود بھی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کو پکار رہا ہو۔(3)﴿ إِنَّهُۥ قَدۡ جَآءَ أَمۡرُ رَبِّكَ ﴾''حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ تمہارے رب کا حکم آ گیا ہے''یعنی قوم کی ہلاکت کا، عذاب کا فیصلہ ہو چکا۔(4)﴿ وَإِنَّهُمۡ ءَاتِيهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُودٖ ﴾''اور یقیناً ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو ہٹایا جانے والا نہیں ہے''یعنی تمہارے جھگڑنے کا فائدہ نہیں، عذاب کو بھیجنا لازم ہو چکا، وہ گناہ گاروں سے ٹالا نہیں جا سکتا۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ(77) ﴾

''اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی آمد سے گھبرایا اور ان کے آنے سے تنگ دل ہوا اور اس نے کہا کہ یہ بڑی مصیبت کا دن ہے۔''(77)

سوال:﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴾''اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی آمد سے گھبرایا اور ان کے آنے سے تنگ دل ہوا اور اس نے کہا کہ یہ بڑی مصیبت کا دن ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا ﴾''اور جب ہمارے فرشتے آئے''اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے مہمان تھے۔(ایسر التفاسیر:653)(2)فرشتے خوب صورت لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے گھر آئے تا کہ قوم لوط کا امتحان یا جائے۔(3)﴿ لُوْطًا ﴾''لوط کے پاس''سیدنا لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔قوم لوط علیہ السلام اردن کے شہروں عموریہ اور سدوم میں مقیم تھی۔(4)﴿ سِيْٓءَ بِهِمْ ﴾یعنی اپنی قوم سے وہ بدگمان ہوا۔(بخاری کتاب التفسیر)(5)﴿ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ﴾''اور ان کے آنے سے تنگ دل ہوا''سیدنا لوط علیہ السلام مہمان کو دیکھ کر گھبرائے اور دل میں کڑھنے لگے۔(6)فرشتے نوجوان لڑکوں کی صورت میں آئے تھے اور ان کی قوم فطری بگاڑ کا شکار تھی وہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوانی تعلقات قائم کرتے تھے۔سیدنا لوط علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ ان کی قوم خوب صورت مہمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔(7)سیدنا لوط علیہ السلام سوچنے لگے کہ اگر پاس رکھوں تو قوم بداخلاقی سے نہیں رک سکتی اور اگر نہ رکھوں تو یہ ان کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔(8)﴿ وَّقَالَ ﴾سیدنا لوط علیہ السلام نے کہا۔(9)﴿ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴾''یہ بڑی مصیبت کا دن ہے''سیدنا لوط علیہ السلام جانتے تھے کہ قوم کی فطری گندگی انہیں جس سطح پر لے آئی ہے اس سے مہمان بچ نہیں پائیں گے اس طرح بے حد شرمندہ ہونا پڑے گا اس لیے انہوں نے کہا یہ بڑی مصیبت کا دن ہے۔(10)سیدنا لوط علیہ السلام جانتے تھے کہ قوم قوی ہے،ان سے ٹکر لینے کی ہمت نہیں لیکن انہوں نے سوچا کچھ بھی کرلیں اپنی بات سے باز نہیں آؤں گا۔

﴿ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ(78) ﴾

''اور اس کی قوم کے لوگ بے اختیار اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے ہی سے برے کام کیا کرتے تھے لوط نے کہا:''اے میری قوم!یہ میری بیٹیاں ہیں،یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں چنانچہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو،کیا تم میں کوئی عقل مند آدمی نہیں ہے؟''(78)

سوال1:﴿ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾''اور اس کی قوم کے لوگ بے اختیار اس کی طرف

دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے ہی سے برے کام کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ﴾ '' اور اس کی قوم کے لوگ بے اختیار اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے'' قوم کے لوگ بھاگ کر بے تحاشا دوڑتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تا کہ ان سے برا کام کریں۔(2) '' ھرع'' کہتے ہیں بخار کی حالت میں کانپنا۔قوم کے لوگوں کی لڑکوں کو دیکھ کر کیسی کیفیت ہوئی اس کے اظہار کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوئے کہ وہ ایسے دوڑے جیسے بخار میں مبتلا کانپتا ہوا شخص بھاگتا ہے۔(3)﴿ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ '' اور وہ پہلے ہی سے برے کام کیا کرتے تھے'' سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم ایسی بدکاری کرتی تھی جو ان سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کی تھی۔(4) رب العزت نے فرمایا:﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ '' یقیناً کیا تم واقعی مردوں کے پاس آتے ہو اور تم راستے کاٹتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برا کام کرتے ہو؟'' تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا: '' اگر تم واقعی سچوں میں سے ہو تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ۔'' (العنکبوت:29)

سوال2:﴿ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴾ '' لوط نے کہا: '' اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں چنانچہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی عقل مند آدمی نہیں ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ قَالَ ﴾ سیدنا لوط علیہ السلام نے فرمایا۔(2)﴿ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ﴾ '' اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں'' یعنی میری یہ بیٹیاں تمہارے لئے میرے مہمانوں سے زیادہ پاک ہیں۔جناب لوط علیہ السلام کا یہ قول اسی طرح ہے جس طرح سیدنا سلیمان علیہ السلام نے تحقیق حق کی خاطر ان دونوں عورتوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ متنازع فیہ بچے کو دوٹکڑوں میں برابر کاٹ کر دونوں میں تقسیم کر دیا جائے، کیونکہ انہیں علم تھا کہ ان کی بیٹیاں ان کا مقصد نہ تھیں اور ان میں ان کا کوئی حق تھا۔اس سے جناب لوط علیہ السلام کا سب سے بڑا مقصد اس بڑی بدکاری کو روکنا تھا۔(تفسیر سعدی:1216/2)(3) سیدنا لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے عورتیں پیدا کی ہیں۔قوم کی بیٹیاں میری بیٹیاں ہیں۔تم اپنی اپنی بیویوں سے اپنی حاجت روائی کرو اس سے تمہیں دنیا و آخرت میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔(مختصر ابن کثیر:848/1)(4)﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ '' چنانچہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اس کی نافرمانی سے بچ جاؤ۔(5)﴿ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ﴾ '' اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو'' یعنی میرے مہمانوں کے بارے میں میرا لحاظ رکھو اور مجھے ان کے سامنے رسوا نہ کرو۔(تفسیر سعدی:1216/2)(6)﴿ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴾ '' کیا تم میں کوئی عقل مند آدمی نہیں ہے؟'' یعنی ایسا شخص جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔(ایسر التفاسیر:653)(7) اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قوم لوط

ہدایت سے بالکل خالی تھی۔

﴿ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (79) ﴾

''انہوں نے کہا:'' بلاشبہ یقیناً تم جانتے ہو کہ تمہاری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور بے شک تم جانتے ہو کہ ہم کیا ارادہ رکھتے ہیں؟''(79)

سوال:﴿ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴾''انہوں نے کہا:'' بلاشبہ یقیناً تم جانتے ہو کہ تمہاری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور بے شک تم جانتے ہو کہ ہم کیا ارادہ رکھتے ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالُوْا ﴾ قوم لوط علیہ السلام نے کہا۔(2)﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ﴾''بلاشبہ یقیناً تم جانتے ہو کہ تمہاری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں'' یہ قوم کی طرف اس امر کا اظہار تھا کہ ہم عورتیں نہیں چاہتے ان الفاظ سے انہوں نے سیدنا لوط علیہ السلام کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔(3)ان کے اس جواب سے ان کی خباثت کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ کیوں ان کو اس عذاب کا مستحق سمجھا گیا جو ان کے علاوہ اور کسی قوم پر نازل نہیں کیا گیا۔(اشرف الحواشی:277/1)(4)﴿ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴾''اور بے شک تم جانتے ہو کہ ہم کیا ارادہ رکھتے ہیں؟'' قوم لوط علیہ السلام نے ان الفاظ سے بے حیائی کے ساتھ مطالبہ شروع کیا کہ لڑکے ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔(5)یعنی ہم صرف مردوں کے ساتھ بدکاری کرنا چاہتے ہیں اور عورتوں میں ہمیں کوئی رغبت نہیں۔پس لوط علیہ السلام کو شدید قلق ہوا۔(تفسیر سعدی:1216/2)

﴿ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰي رُكْنٍ شَدِيْدٍ (80) ﴾

''لوط نے کہا:'' کاش واقعتاً تمہارے مقابلے کی میرے پاس قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا!''(80)

سوال1:﴿ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰي رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴾''لوط نے کہا:'' کاش واقعتاً تمہارے مقابلے کی میرے پاس قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ ﴾ سیدنا لوط علیہ السلام نے فرمایا۔(2)﴿ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰي رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴾''کاش واقعتاً تمہارے مقابلے کی میرے پاس قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا!'' کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کے لیے مددگار ہوتے، میں طاقت ور ہوتا تو تمہیں سبق سکھا کر رہتا۔(3)﴿ اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰي رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴾''یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا!'' یعنی میرا قبیلہ مضبوط ہوتا یا بااثر ہوتا تو میں تمہیں مزہ چکھائے بغیر نہ رہتا۔(4)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' لوط علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو کہ وہ مضبوط سہارے کو پکڑنا چاہتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کا سہارا اختیار کیے ہوئے تھے)، جب انہوں نے کہا:﴿ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰي

رُكْنٍ شَدِيْدٍ﴾ (هود:80) تو ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اپنی قوم کے صاحب حیثیت لوگوں میں سے معبوث فرمایا۔ (بخاری:3372)
(5) حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوط علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجے گئے فرشتوں کا سہارا حاصل تھا، جس کی انہیں ابتداء میں خبر نہیں تھی۔ (تیسیر الرحمٰن) (6) حقیقت یہ ہے کہ لوط علیہ السلام سب سے محفوظ سہارا لیے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ، جس کی قوت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

﴿ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (81) ﴾

''انہوں نے کہا کہ اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرشتے ہیں وہ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے، چنانچہ اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی ایک پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ بلاشبہ اس تک وہی کچھ پہنچنے والا ہے جو ان تک پہنچے گا ان کے وعدے کا یقینی وقت صبح کا ہے، کیا صبح قریب نہیں ہے؟'' (81)

سوال 1: ﴿ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرشتے ہیں وہ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے، چنانچہ اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی ایک پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ بلاشبہ اس تک وہی کچھ پہنچنے والا ہے جو ان تک پہنچے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالُوْا ﴾ فرشتوں نے کہا۔ (2) ﴿ يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ ﴾ ''اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرشتے ہیں'' فرشتوں نے سیدنا لوط علیہ السلام کو آگاہ کر دیا کہ ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں ہم آسمان سے عذاب لے کر آئے ہیں۔ (3) ﴿ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ ﴾ ''وہ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے'' یعنی وہ آپ کی طرف پہنچنے نہیں پائیں گے۔ (4) پھر سیدنا جبریل علیہ السلام نے اپنا پر ہلایا اور ان کو اندھا کر دیا اور وہ لوط علیہ السلام کو صبح آنے کی دھمکی دیتے ہوئے چلے گئے۔ (تفسیر سعدی:1216/2) (5) ﴿ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ ﴾ ''چنانچہ اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر نکل جاؤ'' اسریٰ عربی زبان میں رات کے سفر کو کہتے ہیں۔ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ کا مطلب ہے رات کے کسی حصے میں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صبح ہونے سے قبل رات کو نکلنا پڑے گا۔ (6) ﴿ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ ﴾ ''اور تم میں سے کوئی ایک پیچھے مڑ کر نہ دیکھے'' یعنی اگر دل خراش چیخیں سنائی دیں تب بھی کوئی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھے گا۔ (7) ﴿ اِلَّا امْرَاَتَكَ ﴾ ''مگر تمہاری بیوی'' یعنی آپ کی بیوی عذاب میں شریک ہوگی۔ (8) کیونکہ یہ عورت بھی اپنی قوم کے گناہ میں برابر کی شریک تھی۔ جب سیدنا لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آتے تو یہ ان کی آمد کے بارے میں کفار کو اطلاع دیا کرتی تھی۔ (تفسیر سعدی:1216/2) (9) سیدنا

لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی وہ بھی ہلاک کردی گئی بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ سیدنا لوط علیہ السلام کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی جب پوری قوم پر عذاب آیا تو وہ بھی انہی میں ہلاک ہوگئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ ساتھ تو نکلی تھی لیکن جب اس نے عذاب آنے کی آہٹ سنی تو پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی اور اپنی قوم کی ہلاکت کا یقین کرتے ہوئے یوں کہا: ''ہائے میری قوم! اس وقت اسے ایک پتھر آ کر لگا جس سے وہ ہلاک ہوگئی۔'' (انوار البیان:52,53/3) **(10)** اس ہلاکت میں یہ سبق ہے کہ اگر کوئی دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا وفادار نہیں اور وہ قافلہ حق کے ساتھ کسی اور وجہ سے شامل ہو جائے تو وہ نجات نہیں پا سکتا کہیں نہ کہیں اس کی کمزوری ظاہر ہوگی اور وہ وہیں بیٹھ جائے گا اس لیے نیت کے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا وفادار رہنا ہے۔

سوال 2: ﴿ **اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ** ﴾ ''ان کے وعدے کا یقینی وقت صبح کا ہے، کیا صبح قریب نہیں ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ **اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ** ﴾ ''ان کے وعدے کا یقینی وقت صبح کا ہے'' یعنی ان پر عذاب کا جو وقت مقرر کیا گیا ہے وہ صبح صبح کا ہے۔ **(2)** ﴿ **اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ** ﴾ ''کیا صبح قریب نہیں ہے؟'' یعنی صبح تو بہت ہی قریب ہے۔

﴿ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ مَّنْضُوْدٍ (82) ﴾

''پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس کے اوپر کے حصے کو اس کا نچلا کر دیا اور ہم نے اس پر پکی ہوئی مٹی کے کنکر نما پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔'' (82)

سوال: ﴿ **فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ مَّنْضُوْدٍ** ﴾ ''پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس کے اوپر کے حصے کو اس کا نچلا کر دیا اور ہم نے اس پر پکی ہوئی مٹی کے کنکر نما پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ **فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا** ﴾ ''پھر جب ہمارا حکم آ گیا'' یعنی جب قوم پر عذاب کا وقت آن پہنچا۔ (ایسر التفاسیر:654) **(2)** ﴿ **جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا** ﴾ ''ہم نے اس کے اوپر کے حصے کو اس کا نچلا کر دیا'' سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سیدنا جبریل علیہ السلام نے ان سب کو جمع کر کے ان کے مکانات اور مویشیوں سمیت اونچا اٹھا لیا یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آسمان کے فرشتوں نے سن لیں آپ اپنے داہنے پر کے کنارے پر ان کی بستی کو اٹھائے ہوئے تھے پھر انہیں زمین پر الٹ دیا ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیا اور سب ایک ساتھ غارت ہوگئے۔ (ابن کثیر:493/2) **(3)** ﴿ **وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** ﴾ ''اور ہم نے اس پر پکی ہوئی مٹی کے کنکر نما پتھر برسائے'' یعنی ان پر ایسے پکے ہوئے پتھر برسائے گئے جو سخت حرارت والی آگ میں پکے ہوئے تھے۔ **(4)** ﴿ **مَّنْضُوْدٍ** ﴾ ''جو تہ بہ تہ تھے'' یعنی ان پر تابڑ توڑ پتھر برسائے گئے جو بستی سے بھاگنے والوں کا پیچھا کرتے تھے۔ (تفسیر سعدی:1216,1217/2) **(5)** مفسر مہایمی لکھتے ہیں کہ چونکہ ان کا عمل

زانیوں کے عمل سے مشابہ تھا، اسی لیے ان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔ (تیسیر الرحمٰن) (6) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم کسی کو پاؤ کہ وہ قوم لوط کا سا عمل کرتے ہیں تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔'' (سنن ابی داؤد: 4462)

﴿ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ (83) ﴾

''آپ کے رب کی جانب سے نشان زدہ تھے اور ان ظالموں سے وہ کچھ دور نہیں۔'' (83)

سوال: ﴿ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴾ ''آپ کے رب کی جانب سے نشان زدہ تھے اور ان ظالموں سے وہ کچھ دور نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ﴾ ''آپ کے رب کی جانب سے نشان زدہ تھے'' یعنی ان پتھروں پر ہلاک ہونے والوں کے نام کندہ تھے۔ یہ پتھر صدوم کے باشندوں پر گرے تھے۔ ان میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکا۔ (2) ان پتھروں پر عذاب کی علامت تھی۔ (3) ﴿ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴾ ''اور ان ظالموں سے وہ کچھ دور نہیں'' وہ بستیاں مکہ کے مشرکین سے کچھ زیادہ دور نہیں ہیں۔ جب وہ شام کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو ان بستیوں کے بھولے بسرے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ انہیں دیکھ کے عبرت حاصل کریں کہ کہیں انہیں بھی قوم لوط کی طرح اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ پکڑ لے۔ ان بستیوں کی جگہ اب کھارے پانی کا سمندر پایا جاتا ہے جسے 'بحر میت' کہتے ہے، اس لیے کہ اس کا پانی کوئی جاندار نہیں پی سکتا ہے، اسے 'بحیرۂ لوط' بھی کہتے ہیں۔ اور اس کے آس پاس کی زمین بنجر ہے جو کچھ بھی نہیں اگاتی ہے۔ (تیسیر الرحمٰن) (4) پورے واقعے کے بعد یہ الفاظ یقین دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سزا قریب ہے بالکل تیار ہے اللہ تعالیٰ کسی بھی وقت نازل کر دے گا۔ (5) یعنی جو لوگ قوم لوط کے فعل کی مشابہت کرتے ہیں، یہ بستی ان سے کچھ دور نہیں۔ پس بندوں کو ان جیسے کام کرنے سے بچنا چاہیے تاکہ ان پر بھی وہ عذاب نازل نہ ہو جائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔ (تفسیر سعدی: 1217/2)

رکوع نمبر 8

﴿ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ (84) ﴾

''اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، اس نے کہا: ''اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ماپ اور تول میں کمی نہ کرو، بلاشبہ میں تمہیں اچھے حال میں دیکھتا ہوں اور یقیناً میں تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔'' (84)

سوال1:﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ﴾ ’’اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ ﴾ ’’اور مدین کی طرف بھیجا‘‘ یعنی مدین کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان ہے۔(2)﴿ اَخَاهُمْ ﴾ ’’ان کے بھائی کو‘‘ یعنی ان کے نسبی بھائی۔(3)﴿ شُعَيْبًا ﴾ شعیب علیہ السلام کو جنہیں اللہ رب العزت نے نبی بنا کر ان کی طرف بھیجا تھا۔وہ اونچے نسب والے تھے، چونکہ اسی قوم سے تھے اس لیے فرمایا اَخَاهُمْ۔(4) سیدنا شعیب علیہ السلام کو، قوم کے ساتھ ان کے حسن گفتگو کی بناپر ’’خطیب الانبیاء‘‘ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سوال2:﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ ’’اس نے کہا: ’’اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ ﴾ سیدنا شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی رغبت دلائی اور کہا۔(2)﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ ’’اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں‘‘ یعنی اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔اور جو حکم وہ تمہیں دے جس سے روکے اس کے آگے اطاعت کے ساتھ بچھ جاؤ کیونکہ اس کے سوا کوئی تمہاری عبادت کا مستحق نہیں۔(جامع البیان)

سوال3:﴿ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴾ ’’اور ماپ اور تول میں کمی نہ کرو، بلاشبہ میں تمہیں اچھے حال میں دیکھتا ہوں اور یقیناً میں تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ ﴾ ’’اور ماپ اور تول میں کمی نہ کرو‘‘ سیدنا شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی کرنے کی مذمت کی۔(2) اہل مدین حجاز سے شام جانے والے تجارتی راستے پر تھے۔وہ ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کا حق مارتے تھے اور لوگوں کو ان کی چیزوں کی قیمت کم دیتے تھے۔(3) یہ کفر کے ساتھ ان کی دوسری بری صفت تھی۔جب کسی سے کوئی چیز خریدتے تو بڑا پیمانہ اور بڑا سیر استعمال کرتے اور جب کوئی چیز بیچتے تو چھوٹا پیمانہ اور چھوٹا سیر استعمال کرتے۔(تیسیر الرحمٰن)(4)﴿ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ ﴾ ’’بلاشبہ میں تمہیں اچھے حال میں دیکھتا ہوں‘‘ میں تمہیں خوش حال دیکھتا ہوں۔تمہاری معاشی حالت اچھی ہے۔(5) یعنی میں دیکھتا ہوں کہ تم بے شمار نعمتوں، صحت اور کثرت مال و اولاد سے بہرہ مند ہو۔پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ عطا کر رکھا ہے اس پر اس کا شکر کرو اور کفران نعمت نہ کرو۔ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے یہ نعمتیں واپس لے لے۔(تفسیر سعدی:1218/2)(6)﴿ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴾ ’’اور یقیناً میں تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں‘‘ مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے کہیں تمہاری خوش حالی پر بدحالی کو مسلط نہ کر دیا جائے اور آخرت میں تمہیں دردناک عذاب اپنے گھیرے میں نہ لے لے۔(7) اس سے مراد دنیا کا عذاب بھی ہو سکتا ہے اور آخرت کا بھی۔(8) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ ﴾ ناپ تول میں کمی

کرنے والوں کے لیے تباہی ہے۔ جولوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو انہیں کم دیتے ہیں۔(المطففین:3-1)(9) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی قوم تول اور ماپ میں چوری کرتی ہے تو ان پر قحط اترتا ہے اور سخت مصیبت پڑتی ہے اور بادشاہ وقت ان پر ظلم کرتا ہے۔(ابن ماجہ:4019)

﴿وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ(85)﴾

''اوراے میری قوم! انصاف کے ساتھ ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فسادی بن کر دنگا نہ کرو۔''(85)

سوال1:﴿وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾''اوراے میری قوم! انصاف کے ساتھ ماپ اور تول کو پورا کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾''اوراے میری قوم! انصاف کے ساتھ ماپ اور تول کو پورا کرو'' سیدنا شعیب علیہ السلام نے پہلی اپنی قوم کو ماپ اور تول میں کمی کرنے سے روکا پھر لین دین میں انصاف سے پورا ناپنے اور تولنے کا حکم دیا ہے۔(2) یہاں تین صورتیں ممکن ہیں۔ ایک تو یہ کہ عدل سے کام لیں پورا ناپیں اور پورا تولیں۔ دوسرے اصل ناپ اور تول سے زیادہ دیں۔ تیسرے ناپ اور تول کے معاملے میں انصاف سے کام لیں۔ جیسے اپنے لیے چاہتے ہوں ویسا ہی دوسروں کو بھی دیں۔

سوال2:﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾''اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فسادی بن کر دنگا نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ﴾''اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو'' یعنی ناپ میں کمی کر کے لوگوں کی چیزیں نہ چراؤ۔(2) لوگوں کی چیزیں گھٹا کر دی جائیں تو معاشرے کے افراد کے اندر بداعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے بدگمان ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔(3) لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے نہ دیا کرو۔(4)﴿وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾''اور زمین میں فسادی بن کر دنگا نہ کرو'' سیدنا شعیب علیہ السلام لوگوں کو فتنہ وفساد اور بدامنی سے روکتے تھے کیونکہ وہ لوگ ڈکیتیاں کرنے کے عادی تھے اس لیے انہیں گناہوں پر، نافرمانیوں اور حرام کاموں پر جمے رہنے سے روکا۔ گناہوں کے برے اثرات کی وجہ سے کھیت اور نسلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ دین اور دنیا دونوں تباہ ہو جاتے ہیں۔(3)''فساد'' میں ہر وہ عمل داخل

ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے (جیسے شرک باللہ کا ارتکاب کرنا، اور اس کی طرف غیروں کو بلانا، اور اللہ تعالیٰ کے دین سے لوگوں کو روکنا) یا بندوں کے حقوق پامال ہو رہے ہوں جیسے چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا اور ناپ تول میں کمی کرنا وغیرہ۔ (تیسیر الرحمٰن)

﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ(86) ﴾

''اللہ تعالیٰ کی بچت ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو اور میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں۔'' (86)

سوال1: ﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی بچت ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی بچت'' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بچت یعنی جائز ذرائع سے حاصل ہونے والی کمائی ہے ۔ جائز ذریعے سے حاصل ہونے والا مال قیمتی اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ (2) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: تمہارے رب کی طرف سے تمہارا حصہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ (ابن ابی حاتم) (3) سیدنا حسن کا قول ہے: اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق تمہارے لیے بہتر ہے اس سے جو تم لوگوں کے رزق سے کمی کرتے ہو۔ (ابن ابی حاتم:2072/6) (4) ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اگر تم ایمان والے ہو'' یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں اور اس کے حلال و حرام کی تصدیق کرتے ہو۔ (جامع البیان:109/11) (5) بندے پر واجب ہے کہ وہ اس رزق پر قناعت کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کیا ہے، چنانچہ وہ حرام کو چھوڑ کر حلال پر اور حرام ذرائع اکتساب کو چھوڑ کر حلال ذرائع پر قناعت کرے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ حلال ذرائع اکتساب میں جو برکت اور اضافہ ءرزق ہے، وہ دنیا کی حرص کی خاطر حرام اسباب کسب اختیار کرنے میں نہیں۔ اس میں سراسر مال کا زوال اور برکت کی ضد ہے۔ (تفسیر سعدی:1223/2) (6) ناحق لوگوں کا مال ہڑپ کرنے سے وہ نفع ہزار درجے بہتر ہے جو حق تعالیٰ تمہیں تجارت میں عطا فرمائے۔ اسی نفع میں خیر و برکت ہوتی ہے اور یہی حلال وطیب ہے۔ جس طرح عذاب سے بربادی اور تباہی آتی ہے، ٹھیک اسی طرح رحمت سے جان و مال کا بقاء وتحفظ ہوتا ہے۔ پورا پورا ناپ تول کر جو کچھ بچ جائے گا وہی باعث خیر و برکت ہے۔ بھلا کہیں برے اور بھلے میں بھی برابری ہو سکتی ہے۔ ﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ﴾ آپ کہہ دیں ناپاک اور پاک برابر نہیں اور اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہیں اچھی لگے۔ (المائدہ:100) (مختصر ابن کثیر:851/1)

سوال2: ﴿ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴾ ''اور میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) میں تم پر نگران نہیں ہوں سے مراد یہ ہے کہ دین کو پہنچا دینا میری ذمہ داری ہے، ہدایت میری ذمہ داری نہیں۔ (2) یعنی میں تمہارے اعمال کا محافظ نہیں ہوں۔ تمہارے اعمال کا نگران تو اللہ تعالیٰ ہے۔ میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا دیتا ہوں جو میری طرف بھیجا جاتا ہے۔

﴿قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُاؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ(87)﴾

''انہوں نے کہا: ''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم اپنے اموال میں جو چاہیں کریں؟ بلاشبہ تو ہی نہایت بردبار، بڑا دانش مند ہے؟'' (87)

سوال1: ﴿قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ﴾ ''انہوں نے کہا: ''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوْا﴾ شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا۔ (2) ﴿یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ﴾ ''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟'' سیدنا شعیب علیہ السلام کثرت سے نماز پڑھتے تھے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے اسی لیے کافروں نے ان کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے یہ بات کہی۔ (تیسیر الرحمٰن) (3) سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم دین دار ہونے کا دعویٰ کرتی تھی۔ مگر انہوں نے دین داری کے ساتھ شرک اور معاشی معاملات میں خرابیوں کو جمع کر دیا تھا۔ سیدنا شعیب علیہ السلام نے جب سچی دین داری کی دعوت دی تو انہوں نے یہ طعنہ دیا کہ کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے اور یہ کہ اپنے مال میں ہم اپنی مرضی نہ کر سکیں۔ (4) یہ سوال گستاخی اور خودسری کا اظہار ہے۔ ہم اپنے عقل مند آباء واجداد کے طریقوں کو چھوڑ کر تیری بات کیسے مان لیں؟ (5) یہ بات انہوں نے اپنے نبی کا مذاق اڑاتے ہوئے اور ان کی دعوت کو رد کرتے ہوئے کہی کہ تو نماز پڑھ کر، اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا نے کی؟ (6) اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیائے سابقین کی شریعت میں نماز مشروع تھی، نیز یہ کہ نماز تمام اعمال سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ کفار کے نزدیک بھی نماز کی افضلیت اور نماز کا تمام اعمال پر مقدم ہونا متحقق ہے۔ نیز ان کے ہاں یہ بات بھی متحقق ہے کہ نماز فواحش اور منکرات سے روکتی ہے اور نماز ایمان اور شرائع کی میزان ہے، نماز کو مسنون طریقے سے ادا کرنے سے بندہ مومن کے احوال کی تکمیل ہوتی ہے اور نماز کی عدم ادائیگی سے اس کے دینی احوال میں خلل واقع ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1222/2)

سوال2: ﴿اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُاؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ﴾ ''یا یہ کہ ہم اپنے اموال میں جو چاہیں کریں؟ بلاشبہ تو ہی نہایت بردبار، بڑا دانش مند ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا﴾ ''یا یہ کہ ہم اپنے اموال میں جو چاہیں کریں؟'' یعنی ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی چھوڑ دیں، ہم اپنی مرضی سے تصرف نہ کریں بلکہ ایک اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کریں۔ اسی کے حکم سے ناپ تول پورا کریں، اسی کے حکم سے واجب

حقوق ادا کریں۔ہم تو اپنے مالوں کے بارے میں وہ کچھ کریں گے جو ہم چاہیں گے۔مال ہمارے اور تصرف کسی اور کا؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ **(2)** وہ مال جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کر رکھا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کا مالک بنا رکھا ہے تاہم انسان یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرے، کیونکہ یہ مال اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، لہٰذا اس پر فرض ہے کہ وہ اس میں سے لوگوں کے حقوق ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے حق کو قائم کرے اور ان ذرائع اکتساب کو اختیار کرنے سے باز رہے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اس کے برعکس کفار اور ان سے مشابہت رکھنے والے دیگر لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے مال کے خود مالک ہیں اور وہ جیسے چاہیں اس میں تصرف کریں خواہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہو یا مخالف۔(تفسیر سعدی:1222/2) **(3)** ﴿ **اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ** ﴾ ''بلاشبہ تو ہی نہایت بردبار، بڑا دانش مند ہے؟''یعنی یہ تو تمہارا خیال ہے کہ تم رشد و ہدایت کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتے اور گمراہی کے سوا تم کسی چیز سے نہیں روکتے۔اگر ایسا ہے تو ہمارے آباؤ اجداد تو پھر احمق ٹھہرے۔**(4)** یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم تو حلیم و رشید ہو اور ہمارے آباء واجداد احمق اور گمراہ؟(تفسیر سعدی:1219،1220/2)

﴿ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ(88) ﴾

''اس نے کہا:''اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی جناب سے اچھا رزق عطا کیا ہے اور میں ارادہ نہیں رکھتا کہ میں تمہارے برخلاف وہ کام کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہوں جہاں تک میں کرسکوں میں تو اصلاح کا ارادہ ہی رکھتا ہوں اور میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''(88)

سوال1: ﴿ **قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا** ﴾ ''اس نے کہا:''اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی جناب سے اچھا رزق عطا کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ **قَالَ** ﴾ سیدنا شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔**(2)** ﴿ **یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ** ﴾ ''اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا''یعنی مجھے خبر دو۔**(3)** ﴿ **اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ** ﴾ ''اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں''یعنی اگر میں برہان اور اس کی الوہیت پر یقین رکھتا ہوں۔اس سے محبت کرتا ہوں۔اور اس کے اولیاء کے ساتھ وعدوں اور دشمنوں کے ساتھ وعیدوں پر یقین رکھتا ہوں۔

(ایسرالتفاسیر:656،657)(4) سیدنا شعیب علیہ السلام نے ان کے کفر وعناد اور استہزا کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے علم ونبوت کی نعمت سے نوازا ہے اور میری حلال روزی میں خوب وسعت عطا فرمائی ہے، تو کیا میرے لیے یہ مناسب ہے کہ صرف تمہیں خوش رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحی میں خیانت کروں، لوگوں کو شرک وظلم سے روکنا اور اصلاح نفس کی دعوت دینا چھوڑ دوں؟ (تیسیر الرحمٰن:658/1) (5) یعنی مجھے اس وحی کی صحت پر یقین اور اطمینان ہو۔(تفسیر سعدی:1220/2)(6)﴿وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ ''اور اس نے مجھے اپنی جناب سے اچھا رزق عطا کیا ہے''یعنی حلال اور طیب روزی۔(جامع البیان:110/11)(7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رزق حسن سے مراد حلال ہے اور شعیب کثیر المال تھے۔(البحرالمحیط)

سوال2:﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ﴾ ''اور میں ارادہ نہیں رکھتا کہ میں تمہارے برخلاف وہ کام کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَآ اُرِيْدُ﴾ ''اور میں ارادہ نہیں رکھتا'' اور میں یہ نہیں چاہتا۔(2)﴿اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ﴾ ''کہ میں تمہارے برخلاف وہ کام کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہوں'' کہ میں تمہیں تو ناپ تول میں کمی سے روکوں اور خود اس برائی میں مبتلا ہو جاؤں میں تو خود پہلے رکتا ہوں، تمہیں بعد میں روکتا ہوں۔(3) قول وفعل کا تضاد رسمی ایمان کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور قول وفعل میں مطابقت شعوری ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔(4) ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ داعی کی دعوت کی تکمیل یہ ہے کہ وہ خود اس کام پر عمل کرنے میں سبقت کرے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور جس کام سے وہ لوگوں کو روکتا ہے سب سے پہلے وہ خود اس کام سے رک جائے۔(تفسیر سعدی:1224/2)(5) رب العزت نے فرمایا:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو۔(الصف:2،3)(6)﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟(البقرہ:44)(7) قیامت کے دن ایک آدمی کو آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی، وہ انہیں لے کر ایسے گھومے گا جیسے گدھا چکی میں گھومتا ہے۔ اس کے گرد جہنمی جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں! تجھے کیا ہوا ہے؟ کیا تو نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا: ہاں یقیناً لیکن میں لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا۔(بخاری:3267)

سوال3:﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ ''جہاں تک میں کر سکوں میں تو اصلاح کا ارادہ ہی رکھتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ ''جہاں تک میں کر سکوں میں تو اصلاح کا ارادہ ہی رکھتا ہوں'' یعنی میرا اس کے سوا کوئی ارادہ، کوئی مقصد نہیں کہ تمہارے حالات کی اصلاح ہو، میں اپنی ذات کے لیے کچھ حاصل نہیں کرنا چاہتا، میں تو تمہارا نفع چاہتا ہوں۔

(2) تمام انبیاء مرسلین کا وظیفہ اوران کی سنت وملت یہ ہے کہ حسب امکان اور مقدور بھر مصالح کے حصول اوران کی تکمیل کے ذریعے سے لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں اور استطاعت کے مطابق مفاسد کو دور یا کم کرتے ہیں اور مصالح خاصہ کی رعایت رکھتے ہیں۔اور حقیقی مصلحت وہ ہے جس سے بندوں کے احوال کی اصلاح ہوتی ہے اور جس سے ان کے دینی اور دنیاوی امور درست ہوتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1224/2)

سوال4: ﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ ''اور میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ''اور میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے''یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے میرے دل میں نیکی کا خیال وہی ڈالتا ہے اور کرنے کی توفیق بھی وہی دیتا ہے اور میرے دل میں شر سے بچنے کی تڑپ وہ بے دار کرتا ہے اور اس سے رکنے کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔اس میں میری قوت اور قدرت کے اختیار کا کوئی دخل نہیں۔میں تو استطاعت کے مطابق کام کرتا ہوں۔ (2) ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ ''اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے''یعنی میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا، اسی پر میرا اعتماد ہے اور میں تمام امور میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔(جامع البیان:110/11) (3) ﴿وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ ''اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں''میں اپنے تمام معاملات میں، دکھ سکھ اور ہر حال میں اسی کی طرف لوٹتا اور لوٹا تا ہوں۔(الاساس فی التفسیر) (4) اس نے مختلف اقسام کی عبادات کا جو مجھے حکم دیا ہے اس کی تعمیل کے لیے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمام نیکیاں اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہیں اور ان دو امور کے ذریعے سے بندہ مومن کے احوال درست ہوتے ہیں: (الف) اپنے رب سے مدد طلب کرنا۔(ب) اور اس کی طرف رجوع کرنا۔جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسا کرو۔(ھود:123) اور فرمایا: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔(فاتحہ:5)

﴿وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ (89)﴾

''اور اے میری قوم! میری مخالفت تمہیں ہرگز مستحق نہ بنادے کہ تمہیں بھی اس جیسی مصیبت پہنچے جیسی مصیبت قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچی تھی اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔''(89)

سوال: ﴿وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ ''اور اے میری قوم! میری مخالفت تمہیں ہرگز مستحق نہ بنادے کہ تمہیں بھی اس جیسی مصیبت پہنچے جیسی مصیبت قوم نوح یا

قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچی تھی اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَيٰقَوْمِ ﴾ سیدنا شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو پکارا ۔(2) ﴿ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ ﴾ ’’میری مخالفت تمہیں ہرگز مستحق نہ بنا دے‘‘یعنی میری عداوت اور بغض تمہیں اس دین کو چھوڑنے پر نہ لے آئے جس پر انہوں نے چلایا۔(3)﴿ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ ﴾ ’’کہ تمہیں بھی اس جیسی مصیبت پہنچے جیسی مصیبت قوم نوح کو پہنچی‘‘یعنی تمہیں وہ عذاب نہ پہنچے جو قوم نوح کو پہنچا۔یعنی غرق ہونے والا۔(4)﴿ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ ﴾ اور قوم ہود جیسا عذاب ۔(5)﴿ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ﴾ یا قوم صالح جیسا زلزلے کا عذاب۔(جامع البیان)(6)﴿ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴾ ’’اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں‘‘یعنی قوم لوط تو وقت اور مقام کے لحاظ سے تم سے قریب ہے۔

﴿ وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ(90) ﴾

’’اور اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس سے توبہ کرو یقیناً میرا رب نہایت رحم والا، بہت محبت والا ہے۔‘‘(90)

سوال:﴿ وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴾ ’’اور اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس سے توبہ کرو یقیناً میرا رب نہایت رحم والا، بہت محبت والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ﴾ ’’اور اپنے رب سے بخشش مانگو‘‘یعنی کفر اور شرک جیسے گناہوں پر تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو۔(2)﴿ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ﴾ ’’پھر اس سے توبہ کرو‘‘یعنی اپنے گناہوں پر سچی اور خالص توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے اور اس کی مخالفت کو چھوڑ کر اس کی طرف رجوع کرو۔(3)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں (دنیا) سے لے جاتا اور ایسی قوم لے آتا جو گناہ کرتے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دیتا۔(مسلم:6965)(4)﴿ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ ﴾ ’’یقیناً میرا رب نہایت رحم والا ہے‘‘اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں سے ہی گناہ گار مومنوں کی بخشش ہے۔(5)وہ توبہ کر کے رجوع کرنے والوں کے لیے رحیم ہے۔(6)﴿ وَّدُوْدٌ ﴾ ’’بہت محبت والا ہے‘‘لوٹنے والوں،توبہ کرنے والوں اور محبت کرنے والوں کے لیے وہ محبت کرنے والا ہے۔(جامع البیان)(7)اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے (الودود) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ودود’’فعول‘‘کے وزن پر’’فاعل‘‘اور’’مفعول‘‘دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:1221/2)

﴿ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ(91) ﴾

''انہوں نے کہا:'' اے شعیب! جوتم کہتے ہواس میں سے اکثر باتیں ہم نہیں سمجھتے، اور ہم تمہیں اپنے درمیان ایک کمزورآدمی دیکھتے ہیں اوراگرتمہاری برادری نہ ہوتی تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیتے اورتم ہم پرکسی طرح غالب نہیں ہو۔''(91)

سوال1:﴿ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ﴾ ''انہوں نے کہا:'' اے شعیب! جوتم کہتے ہواس میں سے اکثر باتیں ہم نہیں سمجھتے، اور ہم تمہیں اپنے درمیان ایک کمزورآدمی دیکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالُوْا ﴾ قوم شعیب علیہ السلام نے زچ ہو کر کہا۔(2)﴿ يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ ﴾ ''اے شعیب! جوتم کہتے ہواس میں سے اکثر باتیں ہم نہیں سمجھتے''یعنی اے شعیب! تمہاری باتیں تو ہمیں سمجھ میں نہیں آتیں،تم غیبی امورکی باتیں کرتے ہو،موت کے بعددوبارہ اٹھائے جانے،توحید باری تعالیٰ اور مال میں حلال وحرام کی باتیں کرتے ہو،یہ سب باتیں قابل قبول نہیں ہیں،اورتم اپنی انہی باتوں کی وجہ سے سب سے کٹ کرتنہارہ گئے ہوتمہاری کوئی حیثیت نہیں رہ گئی ہے۔(تیسیر الرحمٰن:659/1)(3)قوم شعیب ان کی دعوت سے بغض اورنفرت رکھتی تھی۔اسی تکلیف میں انہوں نے کہا۔(4)﴿ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ﴾ ''اور ہم تمہیں اپنے درمیان ایک کمزورآدمی دیکھتے ہیں'' آپ کوتو ہم بہت کمزورحیثیت کا آدمی سمجھتے ہیں کیونکہ آپ کا شماررئیس لوگوں میں نہیں ہوتا۔

سوال2:﴿ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴾ ''اوراگرتمہاری برادری نہ ہوتی تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیتے اورتم ہم پرکسی طرح غالب نہیں ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَوْلَا رَهْطُكَ ﴾ ''اوراگرتمہاری برادری نہ ہوتی''اگرتمہارے قبیلے کا خیال نہ ہوتا۔(2)﴿ لَرَجَمْنٰكَ ﴾ ''تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیتے''یعنی ہم تمہیں قتل کر دیتے یعنی آپ کا ہونا یا نہ ہونا ہمارے لیے معنی نہیں رکھتا۔(3)جملہ ظاہر کرتا ہے کہ قوم شعیب کے نزدیک خاندان کی قوت زیادہ اہم ہے۔(4)﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴾ ''اورتم ہم پرکسی طرح غالب نہیں ہو''یعنی ہمارے نزدیک تمہاری کوئی قدرومنزلت نہیں۔ہم توصرف تمہارے قبیلے کی وجہ سے تمہیں چھوڑ رہے ہیں۔

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ(92) ﴾

''شعیب نے کہا:'' اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ غالب ہے کہ تم نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینکا ہوا بنا رکھا ہے؟ یقیناً میرا رب اس کا احاطہ کرنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''(92)

سوال1:﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''شعیب نے کہا:'' اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ غالب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **قَالَ** ﴾ سیدنا شعیب علیہ السلام نے کہا۔(2)﴿ **يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ** ﴾''اے میری قوم! کیا میری برادری تم پراللہ تعالیٰ سے زیادہ غالب ہے'' کیا تمہارے نزدیک میرے قبیلے کی اہمیت ہے،تم میرے خاندان کو تو عزت دے رہے اور اپنے رب کو ہلکا کررہے ہو!(3) تم اللہ تعالیٰ سے زیادہ قبیلے کو عزیز سمجھ رہے ہو۔

سوال2:﴿ **وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ** ﴾''تم نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینکا ہوا بنا رکھا ہے؟ یقیناً میرا رب اس کا احاطہ کرنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَاتَّخَذْتُمُوْهُ** ﴾''تم نے اسے بنا رکھا ہے''یعنی تم نے ڈال دیا ہے۔(2)﴿ **وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا** ﴾''اپنی پیٹھ پیچھے پھینکا ہوا'' وراءکم ظھریا یعنی پس پشت ڈال دیا اس کی طرف التفات نہ کیا۔جب کوئی کسی کا مقصد پورا نہ کرے تو عرب لوگ کہتے ہیں ظھرت بحاجتی اور جعلتنی ظھریا یا اس جگہ ظھری کا معنی وہ جانور یا برتن ہے جس کو تو اپنے کام کے لیے ساتھ رکھے۔(بخاری: کتاب التفسیر)(3) یعنی تم اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانتے،اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور نہ تم اس کی عظمت کا حق ادا کرتے ہو۔(جامع البیان)(4)﴿ **اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ** ﴾''یقیناً میرا رب اس کا احاطہ کرنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو'' اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارا عمل اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل ہے۔(5) بے شک میرے رب کا علم تمہارے عمل پر محیط ہے۔اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔(جامع البیان:114/11)

﴿ **وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ**(93) ﴾

''اور اے میری قوم!تم اپنی جگہ پر عمل کرتے جاؤ یقیناً میں بھی عمل کرنے والا ہوں،جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے ذلیل کردے اور کون ہے وہ جو جھوٹا ہے؟اور تم بھی انتظار کرو،یقیناً میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔''(93)

سوال1:﴿ **وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ** ﴾''اور اے میری قوم!تم اپنی جگہ پر عمل کرتے جاؤ یقیناً میں بھی عمل کرنے والا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ** ﴾''اور اے میری قوم!تم اپنی جگہ پر عمل کرتے جاؤ''یعنی اے میری قوم تم اپنے کفر اور تکذیب پر اڑے رہو عنقریب اپنے کاموں کا انجام دیکھ لوگے۔(2)﴿ **اِنِّىْ عَامِلٌ** ﴾''یقیناً میں بھی عمل کرنے والا ہوں'' میں بھی

اپنے طریقے پر یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت میں اخلاص اور رشد و ہدایت پر چل رہا ہوں۔

سوال2:﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ﴾ ’’جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے ذلیل کر دے اور کون ہے وہ جو جھوٹا ہے؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ ﴾ ’’جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے ذلیل کر دے‘‘ سیدنا شعیب علیہ السلام نے قوم سے مایوس ہونے کے بعد دھمکی دی کہ تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون رسوا کن عذاب کا مستحق ہے۔(2)﴿ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ﴾ ’’اور کون ہے وہ جو جھوٹا ہے؟‘‘ یعنی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ جھوٹا کون ہے؟ میں یا تم! جب ان پر عذاب آیا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ کون جھوٹا تھا؟

سوال3:﴿ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴾ ’’اور تم بھی انتظار کرو، یقیناً میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَارْتَقِبُوْٓا ﴾ ’’اور تم بھی انتظار کرو‘‘ انتظار کرو کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کو پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے۔(2) یعنی تم عذاب اور ناراضگی کا انتظار کرو۔ میں بھی فتح و نصرت اور رحمت کا انتظار کر رہا ہوں۔(قرطبی)

﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ(94) ﴾

’’اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی خاص رحمت کے ساتھ نجات دی، اور ان کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا جنہوں نے ظلم کیا تو انہوں نے اپنے گھروں میں صبح کی کہ وہ اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔‘‘(94)

سوال1:﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ﴾ ’’اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی خاص رحمت کے ساتھ نجات دی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا ﴾ ’’اور جب ہمارا حکم آیا‘‘ جب قوم شعیب کی ہلاکت کا وقت آ گیا۔(2) اس امر سے مراد عذاب ہے۔(ایسر التفاسیر:658)(3)﴿ نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ﴾ ’’ہم نے شعیب کو اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی خاص رحمت کے ساتھ نجات دی‘‘ یعنی ان کے ایمان کی وجہ سے ہم نے انہیں نجات دی یا ان کے ایمان کی جانب ہدایت پانے سے انہیں نجات دی۔(فتح القدیر)(4) اللہ تعالیٰ نے عذاب آنے پر اپنے نبی اور اہل ایمان کو اپنی رحمت سے نجات دی۔

سوال2:﴿ **وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ** ﴾''اور ان کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا جنہوں نے ظلم کیا تو انہوں نے اپنے گھروں میں صبح کی کہ وہ اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا** ﴾''اور ان کو پکڑ لیا جنہوں نے ظلم کیا''یعنی جنہوں نے شرک کیا اور نافرمانیاں کیں۔(ایسر التفاسیر:658)(2)﴿ **الصَّیْحَةُ** ﴾''ایک ہولناک چیخ نے''یہاں قوم شعیب کو چنگھاڑ (فرشتے کی چیخ) سے ہلاک کرنا مذکور ہے اور سورۃ الاعراف میں زلزلہ کا ذکر ہوا ہے اور سورۃ الشعراء میں عذاب یوم الظلۃ کا ذکر ہے یعنی عذاب کے بادل سائبان کی طرح ان پر محیط ہو گئے تھے گویا اس قوم پر تینوں قسم کا عذاب آیا ہے اور قرآن نے ہر مقام پر اس عذاب کا ذکر فرمایا جیسا کہ مضمون چل رہا تھا مثلاً اس سورۃ میں قوم کا لہجہ اور باتیں گستاخانہ تھیں جو سنگسار کرنے کی دھمکی دے رہے تھے تو یہاں سخت قسم کے جگر خراش عذاب یعنی چنگھاڑ کا ذکر تھا کہ قوم نے دھمکی دی تھی کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اس سرزمین سے نکال دیں گے تو وہ خود اسی سرزمین کے زلزلے سے ہلاک ہوئے تھے اور سورۃ الشعراء میں یہ مضمون ہے کہ قوم شعیب علیہ السلام نے کہا:''اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو''اسی مناسبت سے وہاں عذاب کے بادلوں کا ذکر فرمایا اور یہ ممکن ہے کہ ہر مقام پر عذاب کی مختلف اوقات لہ کیفیت مذکور ہو۔(تیسیر القرآن:368/2)(3)﴿ **فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ** ﴾''تو انہوں نے اپنے گھروں میں صبح کی کہ وہ اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے''اللہ تعالیٰ نے کافروں اور ظالموں کو بے حس وحرکت پڑے رہنے دیا۔(4) آج بھی مدین کے علاقے میں سینکڑوں میل تک جو پہاڑ پائے جاتے ہیں ان پر زلزلے کے آثار ہیں۔تمام پہاڑ اس طرح پھٹے ہوئے ہیں جیسے کسی زبردست زلزلے نے انہیں کھیل کھیل کر دیا ہو۔(اشرف الحواشی:279/1)

﴿ **کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ کَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ**(95) ﴾

''گویا وہ ان میں بسے ہی نہ تھے۔سن لو! ہلاکت ہے مدین کے لیے جس طرح ہلاک ہوئے ثمود۔''(95)

سوال:﴿ **کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ کَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ** ﴾''گویا وہ ان میں بسے ہی نہ تھے۔سن لو! ہلاکت ہے مدین کے لیے جس طرح ہلاک ہوئے ثمود'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا** ﴾''گویا وہ ان میں بسے ہی نہ تھے''گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی رہے، بسے نہیں تھے۔(2) ان کی کوئی آواز سنائی دیتی تھی نہ ان میں کوئی حرکت دکھائی دیتی تھی۔یعنی گویا وہ اپنی بستیوں میں کبھی آباد ہی نہ تھے اور جب ان پر عذاب نازل ہوا تو ایسے لگتا تھا کہ گویا انہوں نے کبھی نعمتوں سے فائدہ ہی نہیں اٹھایا تھا۔(تفسیر سعدی:1222/2)(3)﴿ **اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ کَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ** ﴾''سن لو! ہلاکت ہے مدین کے لیے جس طرح ہلاک ہوئے ثمود''یعنی مدین والوں کو رحمت سے دور اور ہلاکت کے قریب کر دیا۔جیسا کہ اس سے پہلے کی قوموں کو ہلاک کیا تھا۔(ایسر التفاسیر)(4) اللہ تعالیٰ نے دونوں قبیلوں کو رحمت سے دور کر کے ہلاکت میں

پھینک دیا۔(5)اس لیے کہ ان کے علاقے ایک دوسرے کے قریب تھے،کفروسرکشی اورڈاکہ زنی میں بھی ایک جیسے تھے،اوردونوں ہی قومیں دیہات میں رہتی تھیں۔(تیسیر الرحمن)(6)امم سابقہ پرجوتباہی نازل ہوئی اورعذاب کے ذریعے سے ان کوجوپکڑا گیااس میں بندوں کے لیے ترہیب ہے اور یہ نہایت مناسب بات ہے کہ وعظ ونصیحت کے دوران گزشتہ قوموں کے ان واقعات کاذکرکیاجائے جن میں مجرموں پرعذاب نازل کیا گیا۔اوراسی طرح یہ بھی مناسب ہے کہ تقویٰ کی ترغیب کے لیے اہل تقویٰ کے ان واقعات کاذکرکیاجائے جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کواکرام سے نوازا۔(تفسیر سعدی:1225/2)(7)قوم شعیب کے واقعات سے یہ سبق ملتا ہے کہ کامیابی ایمان والوں کے لیے ہےاورناکامی اورہلاکت کافروں کے لیے ہے۔

رکوع نمبر9

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ(96)﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کواپنی نشانیوں اورواضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔''(96)

سوال:﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اورواضح دلیل کے ساتھ بھیجا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)سیدنا موسیٰ بن عمران کلیم اللہ،بنی اسرائیل کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔(2)﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى﴾''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کوبھیجا''سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی رسالت کے بارے میں رب العزت نے واضح فرمایا کہ ہم نے موسیٰ بن عمران کوبھیجا۔(3)﴿بِاٰيٰتِنَا﴾''اپنی نشانیوں کے ساتھ''یعنی ایسی نشانیوں کے ساتھ بھیجا جو ان کی نبوت پر دلالت کرتی تھیں،مثلاً ید بیضاء اور وہ سارے معجزات جورب العزت نے ان کوعطافرمائے۔(4)آیات سے مرادنونشانیاں تھیں جن میں سے اکثر کاذکرسورۃ الاعراف میں آیاہے۔(5)﴿وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾''اورواضح دلیل''سلطان مبین سے مرادعصائے موسوی ہے،جواگرچہ نونشانیوں میں شامل ہے،لیکن چونکہ اس کی ایک خاص حیثیت تھی،اسی لیےاس کاذکرمستقل طورپرکیاگیاہے۔(تیسیر الرحمٰن:660/1)

﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ(97)﴾

''فرعون اوراس کے سرداروں کی جانب،توانہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کاحکم کسی طرح سے درست نہ تھا۔''(97)

سوال:﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾''فرعون اوراس کے سرداروں کی جانب،توانہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کاحکم کسی طرح سے درست نہ تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾''فرعون کی جانب''فرعون قبطیوں کا بادشاہ تھا۔(2)﴿وَمَلَاۡىِٕهٖ﴾''اوراس کے سرداروں کی جانب''یعنی

فرعون کے اشرافیہ کی طرف۔ یہ لوگ قوم کو اپنے پیچھے چلاتے ہیں۔(3)﴿ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ﴾''تو انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی''انہوں نے فرعون کے طریقے کو پسند کیا اور اسی کے پیچھے چلے۔اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو جھٹلایا۔(4)﴿ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ ﴾''حالانکہ فرعون کا حکم نہ تھا''یعنی فرعون کا منہج،اس کا مسلک،اس کا طریقہ گمراہی کا تھا۔(5)﴿ بِرَشِيْدٍ ﴾''کسی طرح سے درست''اس میں رشد و ہدایت نہیں تھی۔وہ جہالت،گمراہی اور کفر و عناد کا طریقہ تھا۔(الاساس فی التفسیر)

﴿ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ(98) ﴾

''قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا،چنانچہ انہیں وہ آگ پر پینے کے لیے لائے گا اور وہ بہت بری پینے کی جگہ ہے جس پر پینے کے لیے آیا جائے۔''(98)

سوال:﴿ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴾''قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا،چنانچہ انہیں وہ آگ پر پینے کے لیے لائے گا اور وہ بہت بری پینے کی جگہ ہے جس پر پینے کے لیے آیا جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾''قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا''جیسے دنیا میں وہ ان کے آگے تھا،ان کا سردار تھا،اسی طرح قیامت کے دن وہ ان کے آگے ہوگا۔(الاساس فی التفسیر)(2)جو لوگ دنیا میں کسی کو اپنا لیڈر اور راہ نما بنائیں گے قیامت کے دن بھی اس ہی کے ساتھ کر دیئے جائیں گے۔اس اعتبار سے فرعون آخرت میں بھی اپنی قوم کی قیادت کرے گا۔(3)﴿ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ﴾''چنانچہ انہیں وہ آگ پر پینے کے لیے لائے گا''آیت میں فرعون کو اس پہلے جانور سے تشبیہ دی گئی ہے جو تالاب سے پانی پینے کے لیے جاتے وقت سب جانوروں سے آگے ہوتا ہے اور اس کے پیروکاروں کو پیچھے پیچھے آنے والے باقی جانوروں سے۔(تیسیر الرحمٰن)(4)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ ﴾اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔آگ ہے،جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی،(حکم ہوگا)آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔''(غافر:45,46)(5)مسند میں ہے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جاہلیت کے شاعروں کا جھنڈا امراؤالقیس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ انہیں جہنم کی طرف لے جائے گا۔اس آگ کے عذاب پر یہ اور زیادتی ہے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ یہ لوگ ابدی لعنت میں پڑے۔قیامت کے دن کی لعنت مل کر ان پر دو دو لعنتیں پڑ گئیں۔یہ اور لوگوں کو جہنم کی دعوت دینے والے امام تھے۔اس لیے ان پر دوہری لعنت پڑی۔(تفسیر ابن کثیر:498)(6)﴿ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴾''اور وہ بہت بری پینے کی جگہ ہے جس پر پینے کے لیے آیا جائے''ورد پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں جہاں پیاسے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔یہاں مراد جہنم ہے

جہاں نہ پیاس بجھے گی اور نہ ٹھنڈا سایہ ہوگا اور دوسری طرف جانے والے بھی برے جن کے پاس نیکیوں کا وزن نہیں ہوگا۔

﴿ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ(99) ﴾

''اوراس دنیا میں ان کے پیچھے لگادی گئی لعنت اور قیامت کے دن بھی، بہت برا عطیہ ہے جو کسی کو دیا جائے۔''(99)

سوال: ﴿ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴾ ''اوراس دنیا میں ان کے پیچھے لگادی گئی لعنت اور قیامت کے دن بھی، بہت برا عطیہ ہے جو کسی کو دیا جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً ﴾ ''اوراس دنیا میں ان کے پیچھے لگادی گئی لعنت''، یعنی اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی اور وہ اس میں غرق ہوگئے۔ (ایسر التفاسیر:659) (2) لعنت سے مراد ہے رحمت سے محرومی۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ﴾ سوآج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی بن جائے۔ (یونس:92) (4) ﴿ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴾ ''بہت برا عطیہ ہے جو کسی کو دیا جائے'' الرفد المرفود مدد جو دی جائے (انعام جو مرحمت ہو) عرب لوگ کہتے ہیں رفدتہ یعنی میں نے اس کی مدد کی۔ (بخاری کتاب التفسیر) (5) رِفد سے مراد صلہ، عطیہ اور انعام ہے۔ یہاں رفد سے مراد لعنت ہے یعنی براصلہ، براانعام۔ (6) یہاں لعنت کو بخشش سے تعبیر کر کے فرعونیوں کی غایت درجہ کی اہانت اور ہتک عزتی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:661/1) (7) یعنی ایک تو انہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب ملے گا، دوسرے دنیا اور آخرت میں لعنت ان کا پیچھا کرے گی۔

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ(100) ﴾

''یہ بستیوں کی چند خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں، ان میں سے بعض کھڑی ہیں اور کچھ کاٹی جاچکی ہیں۔''(100)

سوال: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ ﴾ ''یہ بستیوں کی چند خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں، ان میں سے بعض کھڑی ہیں اور کچھ کاٹی جاچکی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ ﴾ ''یہ بستیوں کی چند خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں'' اس سے مراد یہ ہے کہ بستیوں کی یہ خبریں رسول اللہ ﷺ پہلے جانتے نہ تھے، یہ وحی کے ذریعے آنے والی معلومات ہیں۔ (2) یہ خبریں آپ کی رسالت کے لیے دلیل ہیں اور ایمان والوں کے لیے نصیحت ہیں۔ (3) ﴿ مِنْهَا قَآىِٕمٌ ﴾ ''ان میں سے بعض کھڑی ہیں'' ان میں سے بعض بستیاں باقی ہیں، ابھی ختم نہیں ہوئیں جو ان کی داستان زبان حال سے سناتی ہیں۔ (4) ﴿ وَّ حَصِیْدٌ ﴾ ''اور کچھ کاٹی جاچکی ہیں'' اور بعض بستیاں ایسی ہیں جن کے آثار بھی باقی نہیں ہیں۔ جن کے گھر ختم ہوگئے اور ان کے نشانات باقی نہ رہے۔ (5) ﴿ قَآىِٕمٌ ﴾ سے مراد وہ بستیاں جن کے آثار موجود

ہیں، جنہیں لوگ دیکھتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ یہ کتنی ترقی یافتہ اقوام تھیں۔ مثلاً احقاف کے علاقے میں عاد کے آثار، حجر کے علاقے میں ثمود کے آثار موجود ہیں۔ ﴿ حَصِيدٌ ﴾ سے مراد وہ بستیاں ہیں جو کٹی ہوئی فصلوں کی طرح ختم ہو گئیں مثلاً قوم نوح، قوم لوط وغیرہ کے آثار غائب ہو گئے۔ (6) یہ بھی ایک بڑا حکیمانہ نکتہ ہے کہ کچھ کو عبرت کا سبق بنانے کے لیے کھنڈروں کی صورت میں باقی رکھا۔ کچھ کو یوں عبرت کا سامان بنایا کہ ان کی دھول بھی، ان کے جسموں کی خاک بھی باقی نہ رکھی۔ (تعارف القرآن: 46/3)

﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ (101) ﴾

''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے آپ اپنے اوپر ظلم کیا تھا، چنانچہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے ان کے معبود جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے تھے جب تیرے رب کا حکم آ گیا اور ان کے لیے بربادی کے سوا انہوں نے کسی چیز کا اضافہ نہ کیا۔'' (101)

سوال 1: ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے آپ اپنے اوپر ظلم کیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ﴾ ''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا'' اللہ تعالیٰ نے بستیوں کو عذاب دے کر ان پر ظلم نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی سے منہ موڑ لیا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا تھا اور ان آیات کا مذاق اڑایا تھا لہٰذا وہ مظلوم نہیں خود ظالم ہیں۔ (2) ﴿ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''بلکہ انہوں نے آپ اپنے اوپر ظلم کیا تھا'' یعنی انہوں نے اپنے شرک اور فساد فی الارض پر اصرار کی وجہ سے اپنے اوپر ظلم کیا یہاں تک کہ ان میں حق قبول کرنے کی کوئی استعداد باقی نہیں رہی۔

سوال 2: ﴿ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ﴾ ''چنانچہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے ان کے معبود جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے تھے جب تیرے رب کا حکم آ گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمْ ﴾ ''چنانچہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے ان کے معبود'' پتھر یا انسان ان کے کام نہ آ سکے۔ (الاساس)
(2) ﴿ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ﴾ ''جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے تھے جب تیرے رب کا حکم آ گیا'' قابل غور بات یہ ہے کہ انہی معبودوں کی وجہ سے تو پیروکاروں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے جب کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ انہیں نقصان سے بچائیں گے اور فائدہ پہنچائیں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو واضح ہو گیا کہ ان کا یہ عقیدہ فاسد تھا اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ (تیسیر الرحمٰن) (3) جو شخص بھی مصیبت میں غیر اللہ کی پناہ لیتا ہے اسے کوئی نفع نہیں پہنچتا۔

سوال 3: ﴿ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴾ ''اور ان کے لیے بربادی کے سوا انہوں نے کسی چیز کا اضافہ نہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ **تَتْبِيْبٍ** ﴾ کے لغوی اور اصطلاحی معنی سخت بربادی کے ہیں۔(2)ان کے لیے خسارے کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوا۔(3) جب مہلت کی مدت ختم ہوجائے گی۔ جب غیب کا پردہ پھٹ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ ظاہر کردے گا تو انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ جو سمجھا تھا وہ جھوٹ تھا، جسے حقیقت جانا وہ مفروضے تھے اور جسے سہارا سمجھا وہ سراب تھا۔

﴿ **وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ** (102) ﴾

’’اور آپ کے رب کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ کسی ظلم کرنے والی بستی کو پکڑتا ہے، بلاشبہ اس کی پکڑ بہت دردناک، بڑی سخت ہوتی ہے۔‘‘(102)

سوال: ﴿ **وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ** ﴾ ’’اور آپ کے رب کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ کسی ظلم کرنے والی بستی کو پکڑتا ہے، بلاشبہ اس کی پکڑ بہت دردناک، بڑی سخت ہوتی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ **وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ** ﴾ ’’اور آپ کے رب کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی کو عذاب میں پکڑتا ہے تو اسے برباد کردیتا ہے۔(2) ﴿ **اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ** ﴾ ’’جب وہ کسی ظلم کرنے والی بستی کو پکڑتا ہے‘‘ یعنی جب وہ ایسی بستیوں کو پکڑتا ہے جو شرک اور نافرمانیاں کرتی ہیں۔(ایسر التفاسیر:660)(3) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ ظالم آدمی کو مہلت دے دیتا ہے، پھر جب اسے پکڑتا ہے تو پھر وہ اسے نہیں چھوڑتا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ’’اور اس طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظالم لوگوں کی بستیوں کو پکڑتا ہے۔ بے شک اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہے۔‘‘(مسلم: 6581)(4) ﴿ **اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ** ﴾ ’’بلاشبہ اس کی پکڑ بہت دردناک، بڑی سخت ہوتی ہے‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی الم ناک ہوتی ہے۔(ایسر التفاسیر:660)

﴿ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ** (103) ﴾

’’بلاشبہ اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے، وہ ایسا دن ہے جس کے لئے سب جمع کیے جائیں گے اور وہ حاضری کا دن ہوگا۔‘‘(103)

سوال1: ﴿ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ** ﴾ ’’بلاشبہ اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** ﴾ ’’بلاشبہ اس میں‘‘ یعنی عذاب کی مختلف قسموں کے ذریعے سے جب اللہ تعالیٰ ظالموں کو پکڑتے ہیں تو اس کے پکڑنے میں۔(2) ﴿ **لَاٰيَةً** ﴾ ’’یقیناً ایک نشانی ہے‘‘ یعنی عبرت ہے۔(3) دنیا کی پکڑ عذاب آخرت کی یاد دہانی کرنے والی، خوف دلانے

والی ہوتی ہے۔

سوال2:﴿ ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ ﴾ ’’وہ ایسا دن ہے جس کے لئے سب جمع کیے جائیں گے اور وہ حاضری کا دن ہوگا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ ﴾ ’’وہ ایسا دن ہے جس کے لئے سب جمع کیے جائیں گے‘‘ جس دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو قبروں سے اٹھا کر جمع کرے گا۔ یہ اٹھانا جزا، ثواب اور عذاب کے لیے ہوگا۔(جامع البیان:120/7)**(2)**﴿ وَذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ ﴾ ’’اور وہ حاضری کا دن ہوگا‘‘ وہ دن جب مخلوق مشاہدہ کرے گی اور کوئی ایک بھی ان میں سے پیچھے رہنے والا نہیں ہوگا۔**(3)** یعنی اس روز تمام لوگوں کو جزا و سزا کے لیے جمع کیا جائے گا، تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کا عدل عظیم ظاہر ہو اور اس کے ذریعے سے وہ اس کو اچھی طرح پہچان لیں۔(تفسیر سعدی:1228/2)**(4)** سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ تو اس دن کچھ آدمی آدھے کانوں تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔(صحیح مسلم:7203) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر اس طرح ہوگا کہ وہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کیے ہوئے ہوں گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا عورتیں اور مرد اکٹھے ہوں گے؟ اور ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ معاملہ اس بات سے بہت سخت ہوگا کہ کوئی کسی کی طرف نہ دیکھے گا۔(صحیح مسلم:7198)

﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ (104) ﴾

’’اور ہم اسے ایک گنی ہوئی مدت کے لئے ہی مؤخر کر رہے ہیں۔‘‘(104)

سوال:﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ﴾ ’’اور ہم اسے ایک گنی ہوئی مدت کے لئے ہی مؤخر کر رہے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ ﴾ ’’اور نہیں ہم مؤخر کر رہے ہیں اسے‘‘ یعنی قیامت کے آنے میں تاخیر کی وجہ یہ ہے۔**(2)**﴿ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ﴾ ’’مگر ایک گنی ہوئی مدت کے لئے‘‘ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جب مقررہ وقت آئے گا تو ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں ہوگی۔**(3)** یعنی جب دنیا کی مدت اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر مقرر کیا ہے پورا ہو جائے گا، اس وقت وہ ان کو ایک اور جہان میں منتقل کرے گا اور وہاں ان پر اپنے احکام جزائی اس طرح جاری کرے گا جس طرح اس دنیا میں ان پر احکام شریعہ نافذ تھے۔(تفسیر سعدی:1228/2)

﴿ يَوۡمَ يَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ۚ فَمِنۡهُمۡ شَقِىٌّ وَّسَعِيۡدٌ (105) ﴾

’’جس دن وہ آئے گا، کوئی شخص اس کی اجازت کے سوا کلام نہ کر سکے گا، چنانچہ ان میں کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہیں۔‘‘(105)

سوال:﴿ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴾’’جس دن وہ آئے گا، کوئی شخص اس کی اجازت کے سوا کلام نہ کر سکے گا، چنانچہ ان میں کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ يَوْمَ يَأْتِ ﴾’’جس دن وہ آئے گا‘‘ جس دن تمام مخلوق اکٹھی کی جائے گی۔(2)﴿ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾’’کوئی شخص اس کی اجازت کے سوا کلام نہ کر سکے گا‘‘ قیامت کے دن کوئی شخص بھی اللہ تعالی کی اجازت کے بغیر ایک کلمہ نہ اپنے دفاع کے لیے اپنی زبان سے نکالے گا اور نہ ہی کسی کی سفارش میں بولے گا۔(تیسیر الرحمٰن)(3) قیامت کے دن انبیاء اور فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکیں گے۔(4) رب العزت نے فرمایا:﴿ رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴾ جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ وسیع رحمت والا ہے، کسی کو اس سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔ (النبأ:38)(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس دن انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو گفتگو کی ہمت نہیں ہوگی اور انبیاء علیہم السلام کی زبان پر بھی اس دن صرف یہی ہوگا کہ یا اللہ ہمیں بچالے! ہمیں بچالے!(بخاری:7437)(6)﴿ فَمِنْهُمْ ﴾’’چنانچہ ان میں‘‘ یعنی ساری مخلوقات میں سے۔(7)﴿ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴾’’کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہیں‘‘﴿ شقی ﴾ بد بخت وہ بدنصیب ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور رسولوں کو جھٹلایا، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کی اور﴿ سعید ﴾ خوش نصیب وہ لوگ ہوں گے جو مومن اور متقی ہوں گے۔(8) رب العزت نے فرمایا:﴿ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴾ ایک گروہ جنت میں اور دوسرا گروہ بھڑکتی ہوئی آگ میں ہوگا۔(الشوریٰ:7)(9) جب یہ آیت اتری تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم کس پر عمل کرتے ہیں؟ آیا اس فیصلے پر جو پہلے سے طے ہو چکا یا نئی چیز پر؟ فرمایا: نہیں بلکہ اسی پر جو طے ہو چکا ہے اور جس پر قلم بھی چل چکا ہے۔ ہر ایک کے لیے وہی عمل آسان ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔(مسند ابو یعلیٰ)

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ (106) ﴾

’’پھر جو بد بخت ہیں وہ آگ میں ہوں گے اس میں ان کو آواز بھینچنا اور آواز نکالنا ہوگا۔‘‘(106)

سوال:﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴾’’پھر جو بد بخت ہیں وہ آگ میں ہوں گے اس میں ان کو آواز بھینچنا اور آواز نکالنا ہوگا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا ﴾’’پھر جو بد بخت ہیں‘‘ یعنی وہ لوگ جو بد بختی، رسوائی اور فضیحت میں مبتلا ہوں گے تو وہ جہنم کے عذاب میں غوطے کھائیں گے اور آگ کا نہایت سخت عذاب ان کو جکڑ لے گا۔(تفسیر سعدی:1229/2)(2)﴿ فَفِي النَّارِ ﴾’’وہ آگ میں ہوں

گے'' وہ جہنم کے سخت عذاب میں جکڑے جائیں گے۔(3)﴿ لَهُمْ فِيهَا ﴾ '' اس میں ان کو'' یعنی اس سختی کی وجہ سے جس میں وہ رکھے جائیں گے۔(4)﴿ زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ ﴾ '' آواز بھینچنا اور آواز نکالنا ہوگا'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا زفیر زور کی آواز کو اور شہیق پست آواز کو کہتے ہیں۔(بخاری کتاب التفسیر)(5) سیدنا عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنمی اس قدر روئیں گے اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی جائیں تو چلنے لگیں۔ آنسو ختم ہو جائیں گے تو جہنمی خون کے آنسو بہائیں گے یعنی پانی کے آنسو کی جگہ!(حاکم)

﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (107) ﴾

'' جب تک آسمان وزمین قائم ہیں وہ اس میں رہیں گے مگر جو آپ کا رب چاہے، یقیناً آپ کا رب جو ارادہ کرتا ہے وہ کر گزرنے والا ہے۔''(107)

سوال: ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ '' جب تک آسمان وزمین قائم ہیں وہ اس میں رہیں گے مگر جو آپ کا رب چاہے، یقیناً آپ کا رب جو ارادہ کرتا ہے وہ کر گزرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ '' وہ اس میں رہیں گے'' یعنی وہ اس جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔(2)﴿ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾ '' جب تک آسمان وزمین قائم ہیں مگر جو آپ کا رب چاہے'' یعنی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے سوائے اس مدت کے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہے کہ وہ اس مدت کے دوران جہنم میں نہ رہیں اور یہ مدت جہنم میں داخل ہونے سے قبل کی ہے۔ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے۔ پس اس صورت میں استثناء جہنم میں دخول سے قبل کی مدت کی طرف راجع ہے، یعنی وہ تمام زمانوں تک جہنم میں رہیں گے سوائے اس زمانے کے جو جہنم میں داخل ہونے سے پہلے تھا۔(تفسیر سعدی:1229/2)(3) یعنی وہ اہل توحید کو جہنم میں داخل نہیں کرے گا۔(ایسر التفاسیر:661)(4) یہ استثناء بھی گناہ گار اہل ایمان کے لیے ہے یعنی دیگر جنتیوں کی طرح یہ گناہ گار مومن ہمیشہ سے جنت میں نہیں رہے ہوں گے بلکہ ابتداء میں ان کا کچھ عرصہ جہنم میں گزرے گا اور پھر انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کی سفارش سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔(دعوۃ القرآن)(5) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو بھی دوزخ سے نکال لو۔ تب ایسے لوگ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور وہ جل کر کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکے ہوں گے۔ پھر زندگی کی نہر میں یا بارش کے پانی میں ڈالے جائیں گے۔ یہاں راوی کو شک ہو گیا ہے کہ اوپر کے راوی نے کون سا لفظ استعمال کیا۔ اس وقت وہ دانے کی طرح اگ آئیں گے جس طرح ندی کے کنارے دانے اگ آتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ دانہ زردی مائل پیچ در پیچ نکلتا ہے۔ (بخاری:22)

سوال2: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ '' یقیناً آپ کا رب جو ارادہ کرتا ہے وہ کر گزرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنَّ رَبَّكَ ﴾یعنی اے انسان تمہارارب !**(2)**﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴾''جوارادہ کرتا ہے وہ کرگزرنے والا ہے''یعنی وہ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اسے کرلیتا ہے۔اس کے ارادے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔**(3)**یقیناً تیرارب جوارادہ کرلے وہ کرتا ہے اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کا پابند نہیں وہ جب چاہے اپنی سنت کو بدل سکتا ہے۔

﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ(108) ﴾

''اورجن کو نیک بخت قرار دیا جائے گا وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان وزمین قائم ہیں مگر جو آپ کا رب چاہے ایسا عطیہ جو کبھی قطع کیا جانے والا نہیں۔''(108)

سوال1:﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴾''اورجن کو نیک بخت قرار دیا جائے گا وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان وزمین قائم ہیں مگر جو آپ کا رب چاہے ایسا عطیہ جو کبھی قطع کیا جانے والا نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ ﴾''اورجن کو نیک بخت قرار دیا جائے گا وہ جنت میں ہوں گے''جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خوش بخت ٹھہرائے جائیں گے۔(جامع البیان:125/7)**(2)**یعنی جولوگ سعادت اورفوز وفلاح سے نوازے جائیں گے۔**(3)**﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾''ہمیشہ رہنے والے ہیں اس میں'' وہ اس میں سے نکالے نہیں جائیں گے،اس میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔**(4)**﴿ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾''جب تک آسمان وزمین قائم ہیں''عربی محاورے میں جب کسی چیز کی ابدی ہیشگی بیان کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ جب تک زمین وآسمان یارات دن قائم ہیں۔(مختصرابن کثیر:857/1)**(5)**﴿ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾''مگر جو آپ کا رب چاہے''یعنی جب تک تیرے رب کوان کا جہنم میں رہنا منظور ہوگا۔**(6)**﴿ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴾''ایسا عطیہ جو کبھی قطع کیا جانے والا نہیں''ایسی عطا ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔(جامع البیان:125/7)**(7)**جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴾ تو ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔(التین:6)**(8)** سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:جب قیامت ہوگی تو موت کو چتکبری بھیڑ کی مانند لایا جائے گا۔ جنت اوردوزخ کھڑی کی جائیں گی۔اوران کے درمیان اس کو ذبح کیا جائے گا۔سو اگرخوشی سے مرنا ممکن ہوتا تو جنتی خوشی سے مرجاتے اوراگرغم سے مرنا ممکن ہوتا تو دوزخ والے غم سے مرجاتے۔(جامع ترمذی:2558)**(9)**سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ کیا تم مزید کچھ چاہتے ہو؟وہ جنتی عرض کریں گے (اے اللہ) کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات

نہیں دی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کے اور اپنے درمیان سے پردے اٹھا دے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو ان کو اس دیدار سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم:449)

﴿ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَٰؤُلَاءِ ۚ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ ۚ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ (109) ﴾

''پس آپ کسی شک میں نہ رہیں جو وہ عبادت کرتے ہیں وہ نہیں عبادت کرتے مگر جیسے اس سے قبل ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور یقیناً ہم ضرور انہیں ان کا پورا پورا حصہ دیں گے جس میں کمی نہیں کی جائے گی۔'' (109)

سوال1: ﴿ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَٰؤُلَاءِ ﴾ ''پس آپ کسی شک میں نہ رہیں جو وہ عبادت کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ ﴾ ''پس آپ کسی شک میں نہ رہیں'' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو مشرکوں کی عبادت کی وجہ سے شک نہ ہو۔ ان کی عبادت کی درستگی کی کوئی دلیل نہیں۔ (2) آیت میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن مقصود دوسرے لوگ ہیں جن کے دل و دماغ میں بتوں اور دیگر معبودان باطل کے جھوٹے معبود ہونے میں کسی قسم کا شک ہو اس لیے کہ آپ ﷺ اس قسم کے شک سے قطعی طور پر پاک تھے۔ (تیسیر الرحمن) (3) ﴿ مِّمَّا يَعْبُدُ هَٰؤُلَاءِ ﴾ ''جو وہ عبادت کرتے ہیں'' جن کی مشرک عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہیں۔ ان کے پاس اپنی عبادت کی کوئی دلیل نہیں۔

سوال2: ﴿ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ ﴾ ''وہ نہیں عبادت کرتے مگر جیسے اس سے قبل ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''وہ نہیں عبادت کرتے مگر جیسے اس سے قبل ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے'' ان کے آباؤ اجداد کا اپنے بتوں کی عبادت کرنا دلیل نہیں کہ وہ حق پر ہیں۔

سوال3: ﴿ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ ﴾ ''اور یقیناً ہم ضرور انہیں ان کا پورا پورا حصہ دیں گے جس میں کمی نہیں کی جائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے فرمایا ہم ان کا صلہ انہیں پورا پورا دیتے ہیں۔ (2) یعنی وہ لازمی طور پر دنیا کے حصے سے بہرہ ور ہوں گے جو ان کے لیے لکھ دیا گیا ہے خواہ یہ دنیاوی نصیب آپ کی نظر میں کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو مگر یہ ان کے احوال کے درست ہونے پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے بھی دنیا عطا کرتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اسے بھی عطا کرتا جس سے محبت نہیں کرتا مگر ایمان اور دین سے صرف اسی شخص کو نوازتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ گمراہ لوگوں کے اپنے گمراہ آباء واجداد کے نظریات پر اتفاق

کر لینے سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے اور نہ اس بات سے دھوکہ کھانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیاوی مال ومتاع سے نواز رکھا ہے۔ (تفسیر سعدی:1230/2)

رکوع نمبر:10

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ(110)﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے وہ بات نہ ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور بلاشبہ وہ لوگ یقیناً اس قرآن سے بے چین رکھنے والے شک میں ہیں۔''(110)

سوال1: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی'' رب العزت نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا کی جیسا کہ ہم نے آپ ﷺ کو الفرقان عطا کی۔(جامع البیان:1129/7) **(2)** ﴿فَاخْتُلِفَ فِيْهِ﴾ ''سو اس میں اختلاف کیا گیا'' تورات کو ماننے والوں نے اس میں اختلاف پیدا کیا۔ **(3)** کچھ لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور کچھ لوگوں نے اسے جھٹلایا جیسا کہ آپ ﷺ کی قوم نے قرآن کے ساتھ کیا۔ کچھ لوگوں نے اسے مانا اور کچھ نے جھٹلا دیا۔(جامع البیان:129/7) **(4)** جس کے احکامات کی وجہ سے ان میں اتفاق تھا، اختلاف کی وجہ سے ان کے عقائد اور دینی جمعیت کو نقصان پہنچا۔

سوال2: ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ﴾ ''اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے وہ بات نہ ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور بلاشبہ وہ لوگ یقیناً اس قرآن سے بے چین رکھنے والے شک میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ﴾ ''اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے وہ بات نہ ہوتی''، یعنی اگر تقدیر کا قلم ان کے حساب میں تاخیر اور قیامت کے دن جزا پر نہ چل چکا ہوتا۔(ایسر التفاسیر:662) **(2)** ﴿لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ ''تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا''، یعنی جھٹلانے والوں اور تصدیق کرنے والوں میں فیصلہ کر دیا جاتا، جھٹلانے والوں کی ہلاکت اور تصدیق کرنے والوں کی نجات سے۔(جامع البیان:129/7) **(3)** ظالموں پر عذاب نہ بھیجنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے۔ اس نے اپنے فیصلے کو قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ ان کے جھٹلانے کی وجہ سے غم میں مبتلا نہ ہوں۔ آپ ﷺ صبر کریں اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے

رہیں۔(4)﴿ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴾'' اور بلا شبہ وہ لوگ یقیناً اس قرآن سے بے چین رکھنے والے شک میں ہیں''یعنی جھٹلانے والے ہمیشہ سے انبیاء کی سیدھی اور سچی باتوں کو غلط سمجھتے رہے ہیں۔وہ شبہات میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ان کے شک اتنے سخت نوعیت کے ہوتے ہیں جس پر مضبوط دلیلیں بھی اثر نہیں کرتیں۔(5) جھٹلانے والے اس بارے میں شک میں ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔(جامع البیان:1219/7)(6)وہ عذاب کے بارے میں یا تورات کے بارے میں شک میں ہیں۔(الاساس فی التفسیر)

﴿ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (111) ﴾

''اور یقیناً آپ کا رب ان سب کو جب (وقت آئے گا) ان کے اعمال کا یقیناً پورا پورا بدلہ دے گا، یقیناً وہ پوری طرح باخبر ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں۔''(111)

سوال:﴿ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾'' اور یقیناً آپ کا رب ان سب کو جب (وقت آئے گا) ان کے اعمال کا یقیناً پورا پورا بدلہ دے گا، یقیناً وہ پوری طرح باخبر ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ﴾'' اور یقیناً آپ کا رب ان سب کو جب (وقت آئے گا) ان کے اعمال کا یقیناً پورا پورا بدلہ دے گا'' اے محمد ﷺ یہ سارے لوگ جن کے واقعات اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں تیرا رب ان میں سے صالحین کو کثیر ثواب عطا کرے گا اور مجرموں کو شدید عذاب دے گا۔(جامع البیان)(2)﴿ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴾'' یقیناً وہ اس سے جو وہ کرتے ہیں'' جو اعمال بھی وہ کرتے ہیں خواہ خیر کے اعمال ہوں یا شر کے۔﴿ خَبِيرٌ ﴾'' پوری طرح باخبر ہے'' اللہ تعالیٰ سب سے باخبر ہے اس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔(3) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عدل وانصاف کریں گے۔وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی ٹھیک ٹھیک جزا دیں گے کیونکہ وہ سب کے اعمال سے خوب باخبر ہیں۔اس لیے کافروں کو کفر اور شرک پر فخر نہیں کرنا چاہئے۔کفر اور شرک کی سزا دنیا میں ملے یا نہ ملے آخرت میں ضرور ملے گی۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴾ اور یہ سب ہمارے پاس حاضر کیے جانے والے ہیں۔(یٰس:32) (4) اللہ تعالیٰ کے تاکیدی انداز کا مطالبہ یہ ہے کہ دین کی دعوت دینے والے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی سنت کے مطابق دعوت دیتے رہیں اس میں کمی نہ کریں اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا دوسرے دین کو قبول نہ کریں، مشکلات برداشت کریں اور صبر کریں۔

﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (112) ﴾

''چنانچہ آپ ثابت قدم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی ہے، اور حد سے نہ بڑھو، جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اسے وہ خوب دیکھنے والا ہے۔''(112)

سوال1:﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴾'' چنانچہ آپ ثابت قدم رہیں جیسا کہ آپ کو

حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی ہے، اور حد سے نہ بڑھو، جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اسے وہ خوب دیکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ **فَاسْتَقِمْ** ﴾'' چنانچہ آپ ثابت قدم رہیں'' استقامت کا مطلب ہے سیدھے چلنا، راستے سے نہ ہٹنا۔اعتدال سے چلنا۔ (2) استقامت ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ دین کے تمام اجزاء وارکان اور ان پر صحیح عمل اس کی تفسیر ہے۔عثمان بن حاضر ازدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم تقویٰ اور خوف خدا کو لازم پکڑو اور استقامت کو بھی، جس کا طریقہ یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں شریعت کا اتباع کرو، اپنی طرف سے کوئی بدعت ایجاد نہ کرو۔'' (مسند دارمی، معارف القرآن) (3) اے نبی! اپنے رب کے احکامات اور دین جس کے ساتھ آپ ﷺ کو بھیجا گیا اور جس کی طرف آپ ﷺ بلاتے ہو، اس پر قائم رہو۔ (4) سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے بارے میں سفیان کا قول نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن مجید پر قائم رہو۔ (جامع البیان) (5) یہود اپنے دین پر قائم نہیں رہے تھے تو ان میں اختلاف ہو گیا۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی اور اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ استقامت اختیار کریں، صحیح عقائد اپنائیں، سیدھے راستے کو چھوڑ کر ادھر ادھر نہ چلیں۔ دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کی شریعت پر چلیں۔ (6) استقامت کا راستہ مشقت کا راستہ ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ (فتح القدیر) (7) قرآن مجید کی کوئی آیت اس آیت سے زیادہ نبی ﷺ کے لیے سخت اور مشقت والی نہیں تھی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ہود، واقعہ اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ (الکشاف 408:) (8)﴿ **وَمَنْ تَابَ مَعَكَ** ﴾'' اور وہ بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی ہے'' جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور جو اپنے کفر کے بعد اس پر عمل کرتے ہیں جو ان کے رب نے ان کو حکم دیا۔ (جامع البیان) (9) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو استقامت کا حکم دیا ہے کیونکہ دشمنوں پر فتح پانے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 859,860/1) (10) سیدنا سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام میں ایک ایسی بات بتا دیجئے پھر میں آپ ﷺ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کہہ میں ایمان لایا پھر اس پر ڈٹ جا۔ (مسلم: 159) (11)﴿ **وَلَا تَطْغَوْا** ﴾'' اور حد سے نہ بڑھو'' یعنی استقامت کی ان حدود سے آگے نہ بڑھیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمائی ہیں۔ (12) یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اعتقاد، قول اور عمل کی حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ (ایسر التفاسیر: 663) (13) بغاوت اور سرکشی سے باز رہنے کی تاکید ہے، کیونکہ یہ دونوں تباہ کن ہیں، گو کسی غیر مسلم پر ہی زیادتی کیوں نہ ہو۔ درحقیقت زیادتی بالذات بری اور تباہ کن ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 860/1) (14)﴿ **إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ** ﴾'' جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اسے وہ خوب دیکھنے والا ہے'' بے شک تمہاری اطاعت اور نافرمانی کے تمام اعمال کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں، اس لیے اس سے ڈر جاؤ۔ وہ تمہارے لیے گھات لگائے ہوئے ہے۔ (15) ان آیات کریمہ میں استقامت

کومسلک بنانے کی ترغیب اور اس کے برعکس راستہ اختیار کرنے پر ترہیب دی گئی ہے۔(16) حسن بصری کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیار ہو جاؤ! اس کے بعد آپ ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔(تیسیر الرحمٰن:664)

﴿ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (113) ﴾

''اور ان کی طرف نہ جھکو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ تمہیں آگ لگ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی۔''(113)

سوال1: ﴿ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ﴾ ''اور ان کی طرف نہ جھکو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ تمہیں آگ لگ جائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَلَا تَرْكَنُوْٓا ﴾ ''اور نہ جھکو'' ترکنوا کا معنی جھکو مائل ہو۔(بخاری کتاب التفسیر)(2) ﴿ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ ''ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ہے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے شرک کی طرف مائل نہ ہو۔ ابوالعالیہ نے کہا کہ تم اپنے اعمال پر راضی نہ ہو جاؤ۔ ابن زید نے کہا: الرکون الادھان ہے یعنی سست پڑنا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴾ وہ چاہتے ہیں کاش آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔(جامع البیان)(3) تم ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنہوں نے ظلم کیا کیونکہ اگر تم جھکے تو ان کے ظلم پر موافقت کرو گے اور ظلم پر راضی ہو جاؤ گے۔(4) یعنی دین کی باتوں میں سستی اور اغماض سے کام نہ لو، شرک کی طرف نہ جھکو اور شرکیہ عملوں سے مطمئن اور خوش نہ ہو نیز ظالموں کی طرف مت جھکو اور نہ ان کے عملوں سے مدد لو اور نہ ان سے راضی ہو جاؤ۔ دراصل ظالموں کی حمایت ظلم کی حمایت ہے، ایسا ہرگز نہ کرو۔(مختصر ابن کثیر:860/1)(5) ﴿ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ﴾ ''ورنہ تمہیں آگ لگ جائے گی'' ورنہ تم بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب میں پھنس جاؤ گے پھر کون تمہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچائے گا۔

سوال2: ﴿ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی''، یعنی کوئی تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا نہیں۔ اس آیت میں ظالم کی طرف میلان رکھنے سے روکا گیا ہے۔ اس پر وعید ہے تو ظالم کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں ظلم سے اپنی عافیت میں رکھے۔(تفسیر سعدی:1231,1232/2)(2) مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ظلم سے ممانعت اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھمکی کی بڑی دلیل ہے، اس لیے کہ جب ظلم کرنے والوں کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھنے والوں کی سزا جہنم بتائی گئی ہے، تو ان کا حال کیا ہوگا جن کی زندگی مشرکانہ اعمال اور ظلم و بربریت

میں ڈوبی ہوئی ہو۔(تیسیر الرحمٰن:664/1)(3) قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظلم وجور کی ممانعت اور حرمت کے لئے اس آیت میں وہ انتہائی شدت ہے جو زیادہ سے زیادہ تصور میں لائی جاسکتی ہے کیونکہ ظالموں کے ساتھ دوستی اور گہرے تعلق ہی کو نہیں بلکہ ان کی طرف ادنی درجہ کے میلان اور جھکاؤ اور ان کے پاس بیٹھنے کو بھی اس میں ممنوع قرار دیا ہے۔امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی شخص اس عالم سے زیادہ مبغوض نہیں جو اسے اپنی دنیوی مفاد کی خاطر کسی ظالم سے ملنے کے لئے جائے۔(تفسیر مظہری)

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ (114)﴾

''اور آپ نماز قائم کریں دن کے دونوں اطراف میں اور رات کی چند گھڑیوں میں، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔''(114)

سوال1: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ ''اور آپ نماز قائم کریں دن کے دونوں اطراف میں اور رات کی چند گھڑیوں میں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ ''اور آپ نماز قائم کریں'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب استقامت کا ذکر کیا تو اس خاص قسم کا ذکر کیا۔اقامت صلوٰۃ رأس الایمان ہے۔(فتح القدیر)**(2)** چونکہ نماز ایمان کی جڑ اور استقامت کا اہم ترین مظہر ہے، اسی لیے اس کا ذکر خصوصی طور پر آیا ہے۔(تیسیر الرحمٰن:665/1)**(3)** ﴿طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ ''دن کے دونوں اطراف میں'' دن کے دوسروں سے مراد صبح اور مغرب ہے۔**(4)** دن کے ابتدائی اور آخری حصے میں۔اس میں فجر،ظہر اور عصر کی نماز شامل ہے۔(تفسیر سعدی:1232/2)**(5)** ﴿وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ ''اور رات کی چند گھڑیوں میں'' ''زلفا'' یعنی گھڑی اسی سے مزدلفہ ہے کیونکہ لوگ وہاں وقفہ وقفہ سے آتے رہتے ہیں اور زلف منزلوں کو بھی کہتے ہیں۔زلفیٰ کا لفظ سورہ ص میں ہے جیسے قربیٰ یعنی نزدیکی ازلفوا کا معنی جمع ہوگئے۔ازلفنا متعدی ہے یعنی ہم نے جمع کیا۔(بخاری کتاب التفسیر)**(6)** اس میں مغرب اور عشاء کی نماز داخل ہے۔تہجد کی نماز بھی اسی میں شامل ہے، کیونکہ بندہ مومن تہجد کی نماز کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:1232/2)**(7)** اللہ تبارک وتعالیٰ نے کامل طور پر نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔

سوال2: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ ''بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ﴾ ''بلاشبہ نیکیاں'' اس سے مراد تمام نیکیاں ہیں۔**(2)** یعنی یہ نماز پنج گانہ اور اس سے ملحق نوافل سب سے بڑی نیکی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ کہ نماز سب سے بڑی نیکی اور ثواب کی موجب ہے اور برائیوں کو مٹاتی بھی ہے۔اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جیسا کہ صحیح احادیث میں اس اطلاق کو مقید کیا گیا ہے۔بلکہ اس آیت کے اطلاق کو سورۃ النساء کی اس آیت نے بھی مقید کر دیا ہے فرمایا: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾﴾ اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے جن سے تمہیں منع

کیا گیا ہے تو ہم تم سے تمہاری برائیاں دور کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔(سورہ النساء:31) (تفسیر سعدی:1232/2) **(3)** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے کے سامنے نہر ہو، جس میں وہ ہر روز پانچ دفعہ نہائے تو کیا اس کی میل باقی رہ جائے گی'' صحابہ نے عرض کیا: اس کے جسم پر ذرہ بھی میل باقی نہیں رہے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ نمازوں کی بھی یہی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔'' (بخاری:528) **(4)** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک اپنے درمیان سرزد ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں جب تک کبیرہ (گناہوں) کا ارتکاب نہ کرے۔ (مسلم:552) **(5)** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مسلمان یا مومن وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے چہرے کے وہ تمام گناہ ختم ہو جاتے ہیں جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کیے ہیں اور جب اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جن کا اس نے اپنے ہاتھوں سے ارتکاب کیا ہے اس طرح جب وہ پاؤں دھوتا ہے تو پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جن کی طرف وہ چل کر گیا ہو۔ بالآخر وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ (مسلم:577) **(6)** سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ سردی کے موسم میں باہر نکلے۔ درختوں کے پتے گر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی ٹہنی کو پکڑا تو اس کے پتے گرنا شروع ہو گئے اور فرمایا: اے ابوذر! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے جب نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑ گئے۔ (مسند احمد:179/5) **(7)** معدان بن ابی طلحہؒ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے غلام ثوبان سے ملا۔ میں نے کہا کہ مجھے کوئی ایسا کام بتائیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے یا کہا مجھے ایسا کام بتائیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہو۔ وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے اس سے پھر پوچھا اور وہ خاموش رہا۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا: زیادہ سے زیادہ سجدے کرو کیونکہ تمہارے ایک سجدے کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک درجہ بلند کر دے گا اور ایک گناہ ختم کر دے گا۔ (مسلم:1093) **(8)** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور حصول ثواب کی نیت سے عبادت میں کھڑا ہوا اس کے تمام اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رکھے اس کے تمام اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری:1091) **(9)** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے اس شان کے ساتھ حج کیا کہ نہ کوئی فحش بات ہوئی اور نہ کوئی گناہ تو وہ اس دن کی طرح واپس ہوگا جیسے اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (بخاری:1521)

سوال2: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے کسی غیر عورت کو بوسہ دے دیا اور پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اپنا گناہ بیان کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ''اور تم نماز کی پابندی کرو دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بے شک نیکیاں مٹا دیتی ہیں بدیوں کو، یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے'' ان صاحب نے عرض کیا: یہ آیت صرف میرے ہی لیے ہے (کہ نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں)؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے ہر انسان کے لیے ہے جو اس پر عمل کرے۔ (بخاری: 4687)

سوال3: ﴿ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴾ ''یہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ذٰلِكَ ﴾ ''یہ'' شاید یہ گزشتہ باتوں کی طرف اشارہ ہے جیسے صراط مستقیم پر استقامت کا التزام، حدود الٰہی سے عدم تجاوز، اہل ظلم کی طرف عدم میلان، اقامت صلوٰۃ کا حکم اور یہ بیان کہ نیکیاں تمام برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ سب ﴿ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے'' وہ اس چیز کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو سمجھتے ہیں اور ان تمام اوامر کی تعمیل کرتے ہیں جن کا ثمرہ نیکیاں ہیں جو شر اور برائی کو مٹاتی ہیں۔ مگر ان امور میں مجاہدہ نفس اور صبر کی سخت ضرورت ہے۔ (تفسیر سعدی: 1232/2:2) (2) یعنی قرآن نصیحت ہے اور توبہ اس کے لیے ہے جو نصیحت قبول کرے اور ذکر ذاکرین کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ ذکر سے نفع اٹھاتے ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن: 78,79) (3) حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کو خوشی اور غم میں، سختیوں اور خوش حالی میں اور عافیت اور آزمائش میں یاد کرتے ہیں۔ (ابن ابی حاتم: 2093/6)

﴿ وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (115) ﴾

''اور آپ صبر کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (115)

سوال1: ﴿ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''اور آپ صبر کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاصْبِرْ ﴾ ''اور آپ صبر کریں'' یعنی اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم اور اس کی نافرمانی سے باز رکھیں اور اس کا ہمیشہ التزام کریں اور تنگ دل نہ ہوں۔ (تفسیر سعدی: 1232,1233/1) (2) اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی مشرک قوم سے جو ایذائیں پہنچتی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں۔ (3) اللہ رب العزت نے جب حکم دیا: فاستقم کما امرت سے اقم الصلوٰۃ تک تو ان احکامات کو واصبر پر ختم کیا کیونکہ صبر کے بغیر یہ احکامات تکمیل کو نہیں پہنچتے، نہ استقامت، نہ حدود سے عدم تجاوز، نہ ظالموں کی طرف جھکنے سے بچنا، نہ اقامت صلوٰۃ، سارے ہی امور صبر کے ساتھ متعلق ہیں۔ (الاساس فی التفسیر) (4) ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴾ ’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا‘‘ اللہ تعالیٰ محسنین کے تمام نیک اعمال کو قبول فرماتا ہے اور انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دیتا ہے۔ جب کمزور نفس اکساہٹ کا شکار ہو کر کمزور ہو جاتے ہیں تو صبر کی ترغیب اور ثواب کا شوق دلایا گیا ہے۔(5)’’المحسنین‘‘ جو اپنی نیت، اپنے اقوال اور اپنے اعمال اخلاص کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے لیے احسن طریقے سے ادا کرتے ہیں یعنی جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے طریقے بتائے ہیں ان کو اختیار کرتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:663)(6)محسن وہ ہیں جو اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرتے ہیں اور کامل طور پر ادا کرتے ہیں پھر ان کی نیکیاں برائیوں کو دور کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔(7)علماء وسلف میں تین کلمے ایسے معروف تھے جو باہم ایک دوسرے کو لکھا کرتے تھے، وہ یاد رکھنے کے قابل ہیں: مَنْ عَمِلَ لآخِرَتِهِ كَفَاهُ اللهُ أَمْـرَ دُنْيَـاهُ اول: یہ کہ جو شخص آخرت کے لئے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے کاموں کو خود بخود درست فرما دیتے ہیں اور ان کی ذمہ داری خود لے لیتے ہیں۔ وَمَنْ اَصْلَحَ سَرِيرَتَهٗ اَصْلَحَ اللهُ عَلَانِيَتَهٗ ۔ دوسرے یہ کہ جو شخص اپنی باطنی حالت کو درست کرلے کہ قلب کا رخ سب سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی ظاہری حالت کو خود بخود درست فرما دیتے ہیں۔ وَمَنْ اَصْلَحَ فِيمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللهِ اَصْلَحَ اللهُ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ ۔ تیسرے یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملہ کو صحیح و درست کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور تمام لوگوں کے درمیان کے معاملات کو خود درست فرما دیتے ہیں۔(تفسیر روح البیان:2/131)

﴿ فَلَوۡلَا كَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اُولُوۡا بَقِيَّةٍ يَّنۡهَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَيۡنَا مِنۡهُمۡ‌ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مَاۤ اُتۡرِفُوۡا فِيۡهِ وَكَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ(116) ﴾

’’تم سے پہلے کی قوموں میں سے پھر کچھ بچی کھچی بھلائی والے لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد سے منع کرتے سوائے تھوڑے سے لوگوں کے ان میں سے جن کو ہم نے ان میں سے نجات دی اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا وہ ان چیزوں کے پیچھے پڑے رہے جن میں انہیں عیش و آرام دیا گیا تھا اور وہ جرائم پیشہ تھے۔‘‘(116)

سوال1: ﴿ فَلَوۡلَا كَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اُولُوۡا بَقِيَّةٍ يَّنۡهَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَيۡنَا مِنۡهُمۡ ﴾ ’’تم سے پہلے کی قوموں میں سے پھر کچھ بچی کھچی بھلائی والے لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد سے منع کرتے سوائے تھوڑے سے لوگوں کے ان میں سے جن کو ہم نے ان میں سے نجات دی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ فَلَوۡلَا كَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ﴾ ’’تم سے پہلے کی قوموں میں سے پھر کچھ لوگ کیوں نہ ہوئے‘‘ جب رب العزت نے گزشتہ اقوام کی ہلاکت کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ان میں سے اکثر لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے سے انکار کیا تو اب فرمایا کہ ان میں سے کچھ اہل خیر ایسے کیوں نہ ہوئے جو انہیں ہدایت کی طرف بلاتے رہتے، انہیں فساد اور

ہلاکت سے روکتے تو ان سے یہ فائدہ ہوتا کہ دین بچے رہتے مگر ایسے لوگ بہت کم تھے۔(2)﴿ اُولُوْا بَقِيَّةٍ ﴾ سے مراد اہل خیر ہیں جو لوگوں کو آخرت کی یاد دلائیں اپنے ماحول کی اصلاح کریں۔ جو زمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام قائم کرنا چاہیں یہ لوگ جس قوم میں کام کرتے ہیں ان کی وجہ سے قومیں عذاب سے بچ جاتی ہیں۔(3)﴿ اُولُوْا بَقِيَّةٍ ﴾ سے مراد فہم اور عقل والے جو اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور اس کے دلائل پر تدبر کرتے ہیں اور اہل ایمان اور اہل کفر کو پہچانتے ہیں۔(جامع البیان)(4)﴿ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''جو زمین میں فساد سے منع کرتے'' جو نافرمانوں کو ان کی نافرمانیوں سے اور کافروں کو ان کے کفر سے روکتے۔(جامع البیان)(5) جو شرک سے روکتے اور زمین میں ہر اس کام سے جس کی وجہ سے فساد پھیلتا ہے۔(6)﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ﴾ ''سوائے تھوڑے سے لوگوں کے ان میں سے جن کو ہم نے ان میں سے نجات دی''یعنی گزشتہ امتوں میں سے کم ہی تھے جنہوں نے نجات پائی۔ جن لوگوں نے نجات پائی وہ انبیاء کی پیروی کرنے والے تھے،انہوں نے اقامت دین کی وجہ سے نجات پائی۔(7) اسی مقصد کے لیے رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ سارے کے سارے اہل ایمان ہی نکل جائیں،سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلے تا کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور تا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تا کہ وہ بچ جائیں۔(التوبۃ:122)(8)﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔(آل عمران:104)(9) حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور اقامت دین کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حجت بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ہاتھوں پر اپنی سنت جاری کر دیتا ہے تا کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کی بنا پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

سوال2:﴿ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا وہ ان چیزوں کے پیچھے پڑے رہے جن میں انہیں عیش و آرام دیا گیا تھا اور وہ جرائم پیشہ تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا وہ ان چیزوں کے پیچھے پڑے رہے جن میں انہیں عیش و آرام دیا گیا تھا'' وہ عیش و عشرت اور راحتوں کے پیچھے پڑے رہے جن میں عہدوں سے محبت اور دولت اور عیش و عشرت کے اسباب کو حاصل کرنا اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے رکنا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈالنا ہے۔(الاساس فی التفسیر)(2)﴿ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴾ ''اور وہ جرائم پیشہ تھے'' ان نعمتوں اور آسائشوں کے پیچھے پڑ کر انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا اور عتاب کے مستحق ٹھہرے اور عذاب نے ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔(تفسیر سعدی:1233/2)(3) اس آیت کریمہ میں ترغیب دی گئی ہے کہ امت میں ایسے افراد ہونے

چاہئیں جو لوگوں کے معاملات کی اصلاح کریں، اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کریں، گمراہوں کو ہدایت کی طرف بلائیں اور اس راستے کی مشکلات پر صبر کریں۔(4) اس حال کو اختیار کرنے والا مرتبہ امامت پر فائز ہوتا ہے کیونکہ اس کا عمل خالص رب العالمین کے لیے ہے۔(تفسیر سعدی:1234/2)

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ(117) ﴾

''اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے جب کہ اس کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔''(117)

سوال: ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴾ ''اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے جب کہ اس کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ ﴾ ''اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے''یعنی جب لوگ اصلاح کا رویہ اختیار کریں، دین پر قائم ہوں تو ان کا رب انہیں ہلاک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ تو ظلم کرنے والوں کو ہلاک کرتا ہے جب ان پر حجت قائم ہو جائے۔(2) ﴿ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴾ ''جب کہ اس کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں''یعنی جب لوگ ایمان میں مخلص ہو جائیں، اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ گزشتہ مظالم کی پاداش میں انہیں ہلاک نہیں کرے گا، انہیں معاف کر دے گا اور ان کے گزشتہ ظلم کو مٹا دے گا۔(3) اس آیت کریمہ کی تفسیر دو طرح سے بیان کی گئی ہے: ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی مشرک قوم آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتی ہے اور آپس میں ظلم و زیادتی نہیں کرتی، قوی کمزور کا حق غصب نہیں کرتا تو محض شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے ہلاک نہیں کرتا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا قول ہے: حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ جب کوئی قوم یا کوئی حکومت ظالم بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ختم کر دیتا ہے۔ دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ جب تک کوئی قوم بھلائی کا حکم دیتی اور برائی سے روکتی ہے اللہ تعالیٰ محض شرک کی وجہ سے اسے ہلاک نہیں کرتا ہے، اس لیے کہ کسی قوم میں تمام برائیوں کی جڑ یہ ہے کہ اس کے اصحاب عقل وخرد لوگوں کو بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بند کر دیں۔(تیسیر الرحمٰن)

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ(118) ﴾

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو یقیناً ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے۔''(118)

سوال1: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴾ ''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو یقیناً ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو یقیناً ایک ہی امت بنا دیتا''یعنی اللہ

تعالیٰ قادر ہے وہ چاہتا تو ساری دنیا کو مسلمان بنا دیتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو زمین میں ہیں سب اکٹھے ضرور ایمان لاتے ،تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ سب مومن ہو جائیں ۔(یونس:99) (2) ﴿ وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴾ ’’اور وہ ہمیشہ اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے‘‘ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ لوگ اختلاف کریں۔اپنی رائے کو حق اور دوسروں کو گمراہ سمجھیں اور صراط مستقیم کی مخالفت کر کے جہنم کے راستے پر چلتے رہیں ۔(3) ﴿ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ سے مراد دین واحد ہے اور وہ اسلام ہے ۔(4) لوگوں کے درمیان اختلافات اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ہوتے ہیں تا کہ لوگ اپنے راستے کے انتخاب کے مطابق کوششیں کریں اور اپنی کوشش کے مطابق اپنے انجام کو پہنچیں ۔(5) سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود کے اکہتر فرقے ہوئے اور ان میں سے ایک جنتی ہے اور ستر دوزخ میں جائیں گے اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے ان میں سے اکہتر دوزخی ہیں اور ایک جنتی ۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ۔ان میں سے ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور بہتر جہنم میں ۔عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا:’’ جماعت ۔‘‘(ابن ماجہ:3992)

﴿ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (119) ﴾

’’مگر جن پر آپ کا رب رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا اور تیرے رب کی وہ بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سبھی سے ضرور بھر دوں گا ۔‘‘(119)

سوال1: ﴿ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ﴾ ’’مگر جن پر آپ کا رب رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ﴾ ’’مگر جن پر آپ کا رب رحم کرے‘‘ یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اتباع رسول کا شوق اور احکام دین پر عمل کرنے کا ذوق عطا فرمایا ہوگا وہ ایک ہی راہ پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلتے رہیں گے ۔(مختصر ابن کثیر:862/1) (2) اللہ تعالیٰ نے ان کی علم حق کی طرف راہ نمائی کی ،انہیں اس پر عمل اور اس پر اتفاق کی توفیق بخشی ۔پس یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے سعادت کو لکھ دیا گیا تھا اور عنایت اور توفیق الٰہی نے ان کو جا لیا تھا ۔رہے ان کے علاوہ دیگر لوگ تو ان کو ان کے نفسوں کے حوالے کر دیا گیا ۔(تفسیر سعدی:1235/2) (3) ﴿ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ﴾ ’’اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے بدبختوں اور خوش بختوں کے اختلاف کے لیے انہیں پیدا کیا ۔(4) یعنی اہل اختلاف کو اختلاف کے لیے اور اہل رحمت کو رحمت کے لیے پیدا کیا ۔(ایسر التفاسیر:664) (5) یعنی ان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا ،تا کہ ان میں سے کچھ لوگ خوش بخت اور کچھ لوگ بدبخت

ہوں، ان میں کچھ لوگ اتفاق کرنے والے اور کچھ لوگ اختلاف کرنے والے ہوں۔ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازدیا اور ایک گروہ وہ ہے جو گمراہی کا حق دار قرار پایا، تاکہ بندوں پر اس کا عدل اور اس کی حکمت عیاں ہو جائے، نیز طبائع بشری میں جو کچھ بھی اچھائی اور برائی پنہاں ہے وہ ظاہر ہو جائے اور تاکہ جہاد اور عبادات کا بازار گرم ہو جو امتحان اور آزمائش کے بغیر درست اور مکمل نہیں ہوتیں۔(تفسیر سعدی:1235/2)

سوال 2: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴾ ''اور تیرے رب کی وہ بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سبھی سے ضرور بھر دوں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ لگاتار یہی کہتی رہے گی'' کیا کچھ اور بھی ہے؟'' یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا تو پھر دوزخ کہے گی: تیری عزت کی قسم! بس بس اور اس کا ایک حصہ سمٹ کر دوسرے حصے سے مل جائے گا۔(صحیح مسلم:7177) **(2)** سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جہنم والوں میں سے اس آدمی کو لایا جائے گا جو اہل دنیا میں سے بہت سی نعمتوں والا تھا پھر اس سے کہا جائے گا اے ابن آدم کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی بھی دیکھی تھی؟ کیا تجھے کبھی کوئی نعمت ملی تھی؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! اے میرے پروردگار، نہیں ملی اور پھر اہل جنت میں سے اس آدمی کو پیش کیا جائے گا جسے دنیا میں لوگوں میں سب سے زیادہ تکلیفیں آئی ہوں گی پھر اسے جنت میں ایک دفعہ غوطہ دے کر پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف بھی دیکھی ہے؟ کیا تجھ پر کوئی سختی بھی گزری؟ وہ عرض کرے گا: اللہ کی قسم! اے میرے پروردگار نہیں کبھی کوئی تکلیف میرے پاس سے نہ گزری اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی شدت و سختی دیکھی۔(صحیح مسلم:7088) **(3)** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا تو دوزخ نے کہا کہ مجھے متکبر اور ظالم لوگوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی اور پھر جنت نے کہا کہ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے اندر سوائے حقیر کمزور اور عاجز لوگوں کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا رحمت کروں گا اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا لیکن تم میں سے ہر ایک کو میں نے ضرور بھرنا ہے پھر جب دوزخ نہیں بھرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی شایان شان اپنا قدم دوزخ میں رکھیں گے تو دوزخ کہے گی بس بس پھر دوزخ اسی وقت بھر جائے گی اور اس کا ایک حصہ دوسرے کی طرف سمٹ جائے گا۔''(صحیح مسلم:7173)

﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ (120) ﴾

''اور ہم رسولوں کے واقعات میں سے ہر چیز آپ کو سنا رہے ہیں جس کے ساتھ ہم آپ کا دل مضبوط کرتے ہیں اور آپ کے پاس اس معاملے میں حق آ گیا اور ایمان والوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔'' (120)

سوال 1: ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾ ''اور ہم رسولوں کے واقعات میں سے ہر چیز آپ کو سنا رہے ہیں جس کے ساتھ ہم آپ کا دل مضبوط کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ﴾ ''اور ہم رسولوں کے واقعات میں سے ہر چیز آپ کو سنا رہے ہیں'' اللہ رب العزت نے اس سورت میں انبیاء کے حالات بیان فرمائے تو اس کی حکمت بیان فرمائی۔ (2) ﴿مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾ ''جس کے ساتھ ہم آپ کا دل مضبوط کرتے ہیں''، یعنی رسالت کے فریضے کی ادائیگی کے لیے آپ ﷺ کو مضبوط، مطمئن رکھنے کے لیے تاکہ آپ کو اطمینان حاصل ہو اور ثبات ملے اور آپ صبر کرے جیسے انبیاء نے اذیتوں پر صبر کیا تھا۔ (3) نفوس انسانی اقتدا سے مانوس ہوتے ہیں اور اعمال پر ان کو نشاط حاصل ہوتا ہے اور وہ دوسروں کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، حق کے شواہد اور اس کے لیے کام کرنے والوں کی کثرت کا ذکر کرنے سے حق کی تائید ہوتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1235) (4) یعنی قصص سے ہم آپ ﷺ کے یقین کو بڑھائیں گے اور ثابت قدم رکھیں گے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آپ ﷺ کے دل کو مضبوط کریں گے اور ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم آپ ﷺ کے دل کو اس سے باندھ دیں گے یہاں تک کہ وہ جزع فزع نہیں کرے گا۔ (الجامع الاحکام القرآن: 81)

سوال 2: قصص یعنی گزشتہ قوموں کے واقعات دل کو اسلام پر جمانے کے لیے کیسے مددگار ہوتے ہیں؟

جواب: (1) قصص یعنی گزشتہ قوموں کے واقعات میں اسلام کی دعوت کے بارے میں سچی باتیں ہیں، جو دل کو اسلام پر جمانے والی ہیں۔ (2) قصص میں انبیاء کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ یوں انسان کے لیے دعوت دینا اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس پر جمے رہنا ممکن ہو جاتا ہے۔ (3) قصص میں ڈراوے اور خوش خبریاں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے انسان انجام کے بارے میں پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ اس دعوت کو قبول کرنے والے اچھے انجام کو پہنچیں گے اور انکار کرنے والے بچ نہیں پائیں گے۔ (4) قصص میں نصیحت آموز واقعات ہوتے ہیں۔ چلتی پھرتی حقیقی زندگی سے انسان کی ڈھارس بندھتی ہے کہ یہ ساری ذمہ داریاں پوری کرنا ممکن ہو جائے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کی گئی ہیں کیونکہ پہلے لوگوں نے بھی یہ سب کچھ اپنایا تھا۔ (5) ان قصص سے ایک داعی کو ثابت قدم رہنے میں مدد ملتی ہے کہ حق کے راستے میں مشکلات تو پہلے بھی پیش آتی رہی ہیں اس لیے مایوسی اور گھبراہٹ نہیں، اللہ تعالیٰ پر توکل ضروری ہے۔ (6) داعی کو یہ اعتماد حاصل ہوتا ہے کہ جس طرح پہلے سچ کے راستے پر چلنے والوں کو کامیابی نصیب ہوتی تھی ایسے ہی اسے بھی نصیب ہو گی۔

سوال 3: ﴿وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ''اور آپ کے پاس اس معاملے میں حق آ گیا اور ایمان والوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ ﴾ ’’اور آپ کے پاس اس معاملے میں حق آ گیا‘‘ اس سورت میں ہم حق لے کر آئے ہیں۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس دنیا میں حق لے کر آئے ہیں یعنی نبوت۔(جامع البیان)(2)﴿ الْحَقُّ ﴾ یعنی آپ ﷺ کے پاس یقین آ گیا اور اس میں کسی لحاظ سے بھی کوئی شک نہیں۔اس کا علم حق کا علم ہے جو نفس کے لیے بڑی فضیلت ہے۔(3)﴿ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ’’اور ایمان والوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے‘‘ یعنی سابق امتوں کا نبیوں کو نہ ماننا،نبیوں کا ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا اور وعظ و نصیحت میں لگے رہنا،اللہ تعالیٰ کا عذاب آنا،نافرمانوں کا برباد ہونا اور فرماں برداروں کا بچ جانا نصیحت ہے۔(مختصر ابن کثیر:861/3)(4) یعنی مومن اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں،برے کاموں سے رک جاتے ہیں اور اچھے کاموں پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور جو ایمان نہیں رکھتے انہیں نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔

﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ(121) ﴾

’’اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنے طریقے پر عمل کرتے رہو بلاشبہ ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔‘‘(121)

سوال:﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴾ ’’اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنے طریقے پر عمل کرتے رہو بلاشبہ ہم بھی عمل کرنے والے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ’’اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جو ایمان نہیں لاتے‘‘ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ایمان نہ لانے والوں کو تنبیہ کر دیں۔(2)﴿ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ﴾ ’’تم اپنے طریقے پر عمل کرتے رہو‘‘ یعنی جس حالت میں تم ہو،جو کر رہے ہو کرتے چلے جاؤ۔(3)﴿ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴾ ’’بلاشبہ ہم بھی عمل کرنے والے ہیں‘‘ ہم بھی توحید کے طریقوں پر عمل کرتے رہیں گے۔(4) یہ برأت کا اظہار ہے جیسا کہ رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا:﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ ﴾ آپ کہہ دیں کہ اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے۔اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔(الکافرون)

﴿ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ(122) ﴾

’’اور تم انتظار کرو بے شک ہم بھی منتظر ہیں۔‘‘(122)

سوال: ﴿ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴾ ''اور تم انتظار کرو بے شک ہم بھی منتظر ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَانْتَظِرُوْا ﴾ ''اور تم انتظار کرو'' یعنی اپنے انجام کا انتظار کرو۔(2) یعنی ہم پر جو کچھ نازل ہوگا تم اس کا انتظار کرو۔(تفسیر سعدی:1236/2)(3)﴿ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴾ ''بے شک ہم بھی منتظر ہیں'' یعنی ہم پر جو کچھ نازل ہوگا تم اس کا انتظار کرو۔ (تفسیر سعدی:1236/2)(4) دعوت دینے والا آخری موڑ پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا، اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرتا ہے کیونکہ وہی عذاب فیصلہ کن ہو سکتا ہے۔

﴿ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ(123) ﴾

''آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور آپ کا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔''(123)

سوال1: ﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ﴾ ''آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے'' اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ سے ذکر کیا ہے کہ اے محمد ﷺ! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ چھپا ہوا ہے اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس کا علم رکھنے والا وہی ہے۔ ہر چیز اس کے ہاتھ میں ہے، اس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔ وہ جانتا ہے جو آپ ﷺ کی مشرک قوم آپ ﷺ کے ساتھ کر رہی ہے اور جو ان کا انجام ہونے والا ہے۔(جامع البیان)(2)﴿ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ﴾ ''اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں'' تمام کام، تمام اعمال اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جانے ہیں۔ وہ پاک اور ناپاک کو الگ الگ کرے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال اور نیتوں کے مطابق جزا دے گا۔ وہی خالق ہے اور وہی حاکم ہے۔

سوال2: ﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور آپ کا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَاعْبُدْهُ ﴾ ''سو آپ اسی کی عبادت کریں'' یعنی اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔(2) یعنی اللہ تعالیٰ کی عبودیت کو قائم کیجیے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ تمام احکام ہیں جن کی تعمیل پر آپ ﷺ قادر ہیں۔(3)﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ﴾ ''اور اسی پر بھروسہ رکھیں'' اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہئے، جو اس پر توکل کرتا ہے اس کے لیے وہ کافی ہو جاتا ہے جیسا کہ

فرمایا:﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اس کو کافی ہے۔(الطلاق:3)(4)﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾''اور آپ کا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو'' اللہ تعالیٰ اسلام کے دشمنوں کی حالتوں سے بے خبر نہیں ہے۔(5)اللہ تعالیٰ کا علم ان سارے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے جن پر اس کا قلم جاری ہو چکا۔خواہ وہ خیر ہو یا شر اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ان سارے اعمال پر اب اس کا حکم اور اس کی جانب سے جزا کا فیصلہ نافذ ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہی ہے جو دنیا اور آخرت میں پورا پورا بدلہ دے گا اور آپ ﷺ دونوں جہانوں میں کامیاب رہیں گے۔الٰہی ہمیں عبادت کا حق ادا کرنے اور توکل کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔آمین۔

ایاتها ۱۱۱ — ۱۲ سورۃ یوسف مکیۃ ۵۳ — رکوعاتها ۱۲

سوال1: اس سورت کا نام یوسف کیوں ہے؟

جواب: اس سورت میں یوسف علیہ السلام کے قصے کو بیان کیا گیا ہے۔جو احسن القصص ہے، اس لیے اس کا نام سورہ یوسف ہے۔

سوال 2: یہ سورت کب نازل ہوئی؟اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے اس کی 111 آیات اور 12 رکوع ہیں۔مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ بارھویں سورت ہے اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس کا نمبر 53 ہے۔

سوال3: اس سورت کے کیا مضامین ہیں؟

جواب: (1)اس سورت کے مضامین مکی سورتوں والے ہیں یعنی اصول دین میں سے اللہ تعالیٰ کی توحید، وحی اور رسالت اور بعث و جزا۔(2)اس سورت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بھی شدید آزمائشوں سے گزرنے کے بعد مصر کی حکومت کا مالک بنایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی قریش پر غلبہ دے گا اور تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو غلبہ عطا فرمایا۔

سوال4: اس سورت کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک دفعہ نبی ﷺ یہ سورت پڑھ رہے تھے۔یہودیوں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سورت سنی تو مسلمان ہو گئے کیونکہ ان کے دین میں بھی یوسف علیہ السلام کا واقعہ اسی طرح مذکور ہے۔(مختصر ابن کثیر:864)

رکوع نمبر:11

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ الۗرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (1) ﴾

''الرٰ۔ یہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔'' (1)

سوال1: ﴿ الۗرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴾ ''الرٰ۔ یہ واضح کتاب کی آیات ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ الۗرٰ ﴾ حروف مقطعات ہیں جس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (i) ان حروف میں سے ہیں جنہیں انسان لکھتے پڑھتے ہیں۔ (ii) ان حروف کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (2) ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴾ ''یہ واضح کتاب کی آیات ہیں'' یعنی یہ اس کتاب مقدس کی آیات ہیں جسے قرآن کہا جاتا ہے جو نہایت واضح، روشن اور صاف ہے اور جو نامعلوم چیزوں کی حقیقتوں کا انکشاف کرتا ہے اور ان کی وضاحت کرتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 864/1) (3) کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو حلال وحرام، شریعت کی حدود، اور ان تمام امور کو بیان کرتی ہے جو بنی نوع انسان کو زندگی میں پیش آتے ہیں۔ (تیسیر الرحمٰن: 669/1) (4) یعنی جس کے الفاظ اور معنی واضح ہیں۔ اس کے واضح اور بین ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عربی زبان میں نازل کیا جو سب سے زیادہ فضیلت کی حامل اور سب سے زیادہ واضح زبان ہے۔ المبین سے مراد یہ ہے کہ یہ کتاب مقدس ان تمام حقائق نافعہ کو بیان کرتی ہے جن کے لوگ حاجت مند ہیں اور یہ سب ایضاح وتبیین ہے۔

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (2) ﴾

''یقیناً ہم نے عربی قرآن بنا کر اسے نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔'' (2)

سوال: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''یقیناً ہم نے عربی قرآن بنا کر اسے نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا ﴾ ''یقیناً ہم نے قرآن بنا کر اسے نازل کیا ہے'' اللہ رب العزت نے اس کتاب یعنی قرآن مجید کو سب سے زیادہ معزز رسول پر، بلد امین، عزت والے مہینے میں معزز فرشتے کے واسطے سے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ (2) ﴿ عَرَبِيًّا ﴾ ''عربی بنا کر'' عربی زبان میں جو رسول اللہ ﷺ کی، اہل جنت کی اور قرآن کی زبان ہے۔ (3) چونکہ عربی زبان بڑی فصیح و بلیغ ہے، اپنے دامن میں بڑی وسعت رکھتی ہے۔ مقاصد کو پوری طرح سے، وضاحت سے بیان کرتی ہے اس لیے یہ جلیل الشان، قدر ومنزلت والی پاکیزہ ترین کتاب اس بہترین زبان میں دنیا کے کامل ترین انسان یعنی خاتم الانبیاء پر نازل ہوئی۔ (مختصر ابن کثیر: 864/1) (4) ﴿ لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾

’’تا کہ تم سمجھو‘‘یعنی تم عقل سے کام لے کرغور وفکر کرو،اسے سمجھواوراس پر عمل کرو۔(5)یعنی تا کہ اس کی حدود،اس کے اصول وفروع اور اس کے اوامر ونواہی کو سمجھ سکو۔جب تم اس کو ایقان کے ساتھ سمجھ لو گے اور تمہارے دل اس کی معرفت سے لبریز ہو جائیں گے تو اس کے ثمرات، جوارح کے عمل اوراطاعت کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔(تفسیر سعدی:1237/2)

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ(3)﴾

’’ہم ایک بہترین قصہ آپ سے بیان کرتے ہیں اس قرآن (کی بدولت) جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اوراس سے پہلے یقیناً آپ بے خبروں میں سے تھے۔‘‘(3)

سوال1: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ﴾ ’’ہم ایک بہترین قصہ آپ سے بیان کرتے ہیں اس قرآن (کی بدولت) جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾ ’’ہم ایک بہترین قصہ آپ سے بیان کرتے ہیں‘‘یعنی ہم آپ کو جو قصہ سنا رہے ہیں وہ اپنی سچائی اور خوب صورتی کی وجہ سے سب سے زیادہ اچھا قصہ ہے۔**(2)**بہترین کتاب کا ہر واقعہ ہر پہلو سے خوب صورت ہے اس لیے فرمایا کہ ہم وحی کے ذریعے آپ کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں۔صحابہ نے آپ ﷺ سے اس قصے کے سننے کی تمنا کی تھی اس پر یہ آیت اتری تھی۔(تفسیر طبری)**(3)** ﴿بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ﴾ ’’اس قرآن (کی بدولت) جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے‘‘یعنی وہ سارے امور جن کو ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی کیا۔ان کے ذریعے ہم نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت عطا کی ہے۔**(4)**قرآن حکیم کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں تھے یہ خبر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے دی۔اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں کیونکہ آپ ﷺ پر وحی کے ذریعے یہ سچا واقعہ نازل کیا گیا آپ نہ تاریخ جانتے تھے نہ کسی سے آپ ﷺ نے سیکھا تھا یقیناً یہ وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو بتایا گیا۔

سوال2: ﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾ ’’اوراس سے پہلے یقیناً آپ بے خبروں میں سے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)’’اوراس سے پہلے یقیناً آپ بے خبروں میں سے تھے‘‘یعنی آپ ﷺ اس سے پہلے بے خبر تھے یعنی نہ آپ ﷺ کسی کے شاگرد تھے نہ کسی اور ذریعے سے خبر رکھتے تھے۔**(2)**یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے اس قصہ کے بارے میں اہل مکہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور نہ نبی کریم ﷺ کو ہی اس کی کوئی خبر تھی۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دینے کے لیے قرآن میں یہ سورت نازل فرمائی۔(تیسیر الرحمٰن:670)**(3)**آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا چیز ہے؟**(4)**یعنی آپ ﷺ احکام،رسولوں کے واقعات،اجتماعی معاملات،اصول معاشرت اور آداب سیاست کو نہیں جانتے تھے۔**(5)**یعنی اس سے پہلے آپ ﷺ

یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کے بارے میں نہیں جانتے تھے۔(جامع البیان:159,160)**(6)**اس آیت میں قرآن حکیم کی خوبی بیان کی گئی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں چنانچہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کتاب لے کر حاضر ہوئے جو آپ رضی اللہ عنہ کو کسی اہل کتاب سے مل گئی تھی اور اسے پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت برہم ہوکر فرمایا،خطاب کے بیٹے تم اس میں مصروف ہوکر گمراہ ہونا چاہتے ہو،اللہ کی قسم یاد رکھو میں تمہارے پاس نہایت چمک دار اور روشن قرآن لے کر آیا ہوں،خبردار اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو،ہوسکتا ہے کہ وہ صحیح بات بتائیں اور تم اسے نہ مانو اور یہ بھی احتمال ہے کہ غلط بتا دیں اور تم اسے مان لو۔اللہ کی قسم!اگر آج سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ تھا۔(مسند احمد)**(7)** قرآن حکیم جن قصوں پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے اور یہ قصہ بہترین ہے۔اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام،ان کے والد یعقوب علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ انتہائی خوب صورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔

سوال3: قصہ یوسف کو احسن القصص کیوں کہا گیا؟

جواب:(1)اس قصے میں،ایک پیغمبر کے قصے کی صورت میں یہ بتایا گیا ہے:(i) کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔(ii)اللہ تعالیٰ حق کے لیے اٹھنے والوں کی مدد کرتا ہے۔(iii)اللہ تعالیٰ مخالفین کی سازشوں کے باوجود ان کو کامیاب کرتا ہے۔(iv)اللہ تعالیٰ نے کامیابی کی شرائط بتائی ہیں:تقوی اور صبر یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنا اور ہر حال میں حق کے راستے پر جمے رہنا۔**(2)**اس قصے میں حسد اور دشمنی کا انجام اور اللہ تعالیٰ کی مدد کا بیان ہے۔**(3)**اس قصے میں نفس امارہ کی سرکشیوں کا نتیجہ اور انسانی مسائل اور حادثات کے دلچسپ اور عبرت انگیز پہلو ہیں اس لیے اسے قرآن حکیم میں احسن القصص کہا گیا۔

﴿ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ(4) ﴾

''جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا:''اے میرے ابا جان!بلاشبہ میں نے گیارہ ستاروں کو اور ایک سورج کو اور ایک چاند کو دیکھا ہے،میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کرنے والے ہیں۔''(4)

سوال1: **﴿ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴾**''جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا:''اے میرے ابا جان!بلاشبہ میں نے گیارہ ستاروں کو اور ایک سورج کو اور ایک چاند کو دیکھا ہے،میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) **﴿ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ ﴾**''جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا''سیدنا یوسف علیہ السلام سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔سیدنا یوسف علیہ السلام کا زمانہ انیسویں صدی قبل مسیح کا ہے۔آپ علیہ السلام کا گھرانہ فلسطین میں رہائش پذیر تھا۔**(2)** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ شریف آدمی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جواللہ تعالیٰ کا خوف سب سے زیادہ رکھتا ہو''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ ہمارے سوال کا مقصد یہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہ پھر سب سے زیادہ شریف اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا یوسف بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ ہیں۔''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا کہ ہمارے سوال کا یہ مقصد بھی نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا تم لوگ عرب کے خانوادوں کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو۔ دیکھو! لوگوں کی مثال کانوں کی سی ہے (کسی کان میں سے اچھا مال نکلتا ہے کسی میں سے برا) جولوگ تم سے زمانہ جاہلیت میں شریف اور بہتر اخلاق کے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے اور شریف ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔''(صحیح بخاری:3383) **(3)** سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام تھے۔ (بخاری:4688) **(4)** ﴿ **يٰٓاَبَتِ** ﴾ ''اے میرے ابا جان'' سیدنا یوسف علیہ السلام اس وقت بچے تھے۔ **(5)** ﴿ **اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا** ﴾ ''بلاشبہ میں نے گیارہ ستاروں کو دیکھا'' سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والد یعقوب علیہ السلام کو بتایا کہ میں نے خواب میں گیارہ ستاروں کو دیکھا ہے۔ **(6)** ﴿ **وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ** ﴾ ''اور ایک سورج کو اور ایک چاند کو'' یعنی ان کے والدین۔ (جامع البیان:159,160) **(7)** ﴿ **رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ** ﴾ ''میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کرنے والے ہیں'' یہ خواب سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا مقدمہ ہے جس کی بناء پر وہ دنیا و آخرت میں بلند مقام پر فائز ہوئے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ بڑے بڑے اصولی امور کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے پہلے تقدیم پیش کرتا ہے جو اس عمل کے لیے تمہید اور تسہیل کا کام دیتی ہے اور بندے کو ان مشقوں کے لیے تیار کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان کے طور پر بندے پر وارد ہوتی ہیں۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کی یہ تاویل کی، کہ سورج سے مراد یوسف علیہ السلام کی والدہ، چاند سے مراد والد اور ستاروں سے مراد اس کے بھائی ہیں۔ نیز یہ کہ یہ حالات ایسے حالات میں بدل جائیں گے کہ مذکورہ تمام لوگ یوسف علیہ السلام کے مطیع ہوں گے اور ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ان کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔ یہ سب کچھ ان اسباب کی بناء پر ہوگا جو یوسف علیہ السلام کو پیش آئیں گے، اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کو اپنے فضل و کرم کے لیے چن لے گا اور علم و عمل کی نعمت سے ان کو مالا مال فرمائے گا اور زمین میں اقتدار عطا کر کے آپ پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرے گا اور اقتدار کی یہ نعمت تبعاً تمام آل یعقوب کو شامل ہوگی جو سیدنا یوسف علیہ السلام کے سامنے سرافگندہ ہوں گے۔ (تفسیر سعدی:1239,1238/2) **(9)** اس خواب کی تعبیر چالیس سال کے بعد اور ایک قول کی رو سے 80 سال کے بعد ظاہر ہوئی۔ جب آپ علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو شاہی تخت پر بٹھایا اور گیارہ بھائیوں نے آپ علیہ السلام کو سجدہ کیا اس وقت آپ علیہ السلام نے ان سے فرمایا آج میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرا خواب ہو بہو سچ کر دیا۔ (مختصر ابن کثیر:861/1)

سوال 2: خواب کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: انسان نیند کی حالت میں جو کچھ دیکھتا ہے، جن حالات سے گزرتا ہے وہ خواب کہلاتے ہیں۔(1) ماہرین نفسیات کے نزدیک خواب انسان کی چھپی ہوئی خواہشات کا عکس ہوتے ہیں۔(2) بعض خواب شیطانی وسوسے ہوتے ہیں۔(3) بعض خواب برے ہوتے ہیں جس سے مستقبل کے خطرے کو بھانپ سکتے ہیں۔(4) بعض خواب پیش گوئی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتے ہیں۔سیدنا قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا: خواب یہ ہے کہ نفس انسانی جس وقت نیند یا بے ہوشی کے سبب ظاہری بدن کی تدبیر سے فارغ ہوجاتا ہے تو اس کو اس کی قوت خیالیہ کی راہ سے کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اسی کا نام خواب ہے۔پھر اس کی تین قسمیں ہیں جن میں سے دو بالکل باطل اور ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور ایک اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح وصادق ہے۔کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بے داری کی حالت میں جو صورتیں انسان دیکھتا ہے وہی خواب میں متشکل ہوکر نظر آتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات انسان کے ذہن میں ڈالتا ہے، کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے یہ دونوں قسمیں باطل ہیں جن میں نہ کوئی حقیقت ہے نہ اصلیت نہ اس کی واقعی کوئی تعبیر ہوسکتی ہے ان میں پہلی قسم کو حدیث النفس اور دوسری کو تسویل شیطانی کہتے ہیں۔تیسری قسم جو صحیح اور برحق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص الہام ہے جو اپنے بندہ کو خوش کرنے یا متنبہ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے کچھ چیزیں اس کے ذہن میں ڈالتے ہیں۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرف گفتگو حاصل کرتا ہے۔(طبرانی) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اور ان سے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کا خواب نبوت کے چھیالس حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے۔'' (صحیح بخاری:6987) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت میں سے صرف اب مبشرات باقی رہ گئی ہیں۔صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا کہ مبشرات کیا ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھے خواب۔'' (صحیح بخاری:6990) ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔(صحیح بخاری:6984)

﴿ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (5) ﴾

''اس نے کہا: ''اے میرے چھوٹے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، وہ آپ کے خلاف سازشیں کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' (5)

سوال 1: ﴿ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ﴾ ''اس نے کہا: ''اے میرے چھوٹے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، وہ آپ کے خلاف سازشیں کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ''اس نے کہا: ''اے میرے چھوٹے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، وہ آپ کے خلاف سازشیں کریں گے'' جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا خواب سنا تو انہیں تاکید کی کہ اپنا خواب بھائیوں کو نہ سنانا۔(2) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹے کو خواب بیان

کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ انہیں اندیشہ تھا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کو نقصان نہ پہنچائیں۔(3)﴿ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ﴾'' وہ آپ کے خلاف سازشیں کریں گے''یعنی ایسا نہ ہو کہ شیطان کی چال میں آکر تمہارے بھائی تم سے حسد کرنے لگیں اور تمہارے خلاف کوئی چال چلیں کہ کہیں تم سردار نہ بن جاؤ۔(4) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا:'' جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اس کو اچھا معلوم ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس پر اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کو (اپنے دوستوں سے) بیان بھی کرے اور جو اس کے سوا ایسا خواب دیکھے جو برا معلوم ہو تو وہ شیطان کی طرف سے ہے، اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے کیونکہ پھر وہ اس کو نقصان نہ دے گا۔''(بخاری:6985)(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں ادا کرے اور کسی کو خواب کے متعلق نہ بتائے تو یہ اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔''(مسند الحمیدی:1145،2/484)(6) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کے حکم کی تعمیل کی اور خواب بھائیوں کو نہیں بتایا۔

سوال 2: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾'' بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)'' بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے'' قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ شیطان سے دشمنی رکھو اور ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ شیطان سے دشمنی رکھے، یہ دشمنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم)(2) شیطان سے بچیں کیونکہ اسی نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو حسد میں مبتلا کیا تھا اسی وجہ سے سیدنا یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اپنے بھائیوں کو اپنا خواب نہ سنانا۔(3) جرجانی نے کہا: حسد محسود میں نعمتوں کے زوال کی تمنا ہے۔(التعریفات:87)(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:'' حسد سے بچو اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے یا فرمایا: خشک گھاس کو (کھا جاتی ہے)۔''(ابوداود:4903) (5) جس شخص کے دل میں دوسروں کے لیے جلن پیدا ہو جائے اسے جان لینا چاہیے کہ یہ شیطان کی لگائی ہوئی آگ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی نہیں ہے، وہ شیطان کی راہ نمائی کے مطابق چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر نہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ حسد کی آگ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا چاہیے۔(6) شیطان دن رات اور کھلے چھپے اس پر وار کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس لیے ان اسباب سے دور رہنا بہتر ہے جن کے ذریعے وہ بندے پر تسلط حاصل کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:2/1239)

سوال 3: شیطان دل میں داخل ہو جائے تو انسان کی کیا حالت ہو جاتی ہے؟

جواب: (1) انسان کے معاملات اس کے کنٹرول میں نہیں رہتے۔(2) اس حالات و واقعات کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتا۔(3) اس کو چھوٹی باتیں بہت بڑی لگتی ہیں۔(4) اس کو بڑے جرائم چھوٹے نظر آتے ہیں۔(5) وہ بڑے جرائم پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔

﴿ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ

قَبۡلُ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ (6) ﴾

''اور ایسے ہی آپ کا رب آپ کو منتخب کرے گا اور آپ کو باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا اور آپ پر اور اولادِ یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا جیسا کہ اس سے پہلے اس نے آپ کے دونوں باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق پر اسے پورا کیا تھا، یقیناً آپ کا رب سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔'' (6)

سوال1: ﴿ وَ كَذٰلِكَ یَجۡتَبِیۡكَ رَبُّكَ وَ یُعَلِّمُكَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ﴾ ''اور ایسے ہی آپ کا رب آپ کو منتخب کرے گا اور آپ کو باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَ كَذٰلِكَ یَجۡتَبِیۡكَ رَبُّكَ ﴾ ''اور ایسے ہی آپ کا رب آپ کو منتخب کرے گا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو ملنے والے بلند مرتبہ کی خبر دی ہے کہ جیسے تمہارے رب نے خواب میں تمہاری عزت اور سیادت دکھائی ہے اسی طرح وہ تمہیں نبوت کا بلند رتبہ بھی عطا فرمائے گا۔ (2) یعنی اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو بہترین اوصاف عطا فرمائے گا۔ (3) ﴿ وَ یُعَلِّمُكَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ﴾ ''اور آپ کو باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا'' یعنی اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو آسمانی کتابوں میں آنے والے سچے واقعات کی تاویل اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ (4) تاویل کا مطلب ہے کسی چیز کا انجام معلوم ہو جائے۔ احادیث سے یہاں مراد خواب ہیں۔ تاویل الاحادیث کے معنی خوابوں کی تہہ تک پہنچنا ہیں۔ یہاں اس سے مراد خوابوں کی تعبیر ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم دیا اس پر دلیل یہ آیت ہے۔ ﴿ قَالَ لَا یَاۡتِیۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ ؕ اِنِّیۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴾ یوسف نے کہا: ''تم دونوں کا کھانا جو تمہیں یہاں ملتا ہے تمہارے پاس وہ نہیں آئے گا مگر اس سے پہلے ہی میں اس کی تعبیر تمہیں بتا دوں گا یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، یقیناً میں نے ان کا طریقہ چھوڑ دیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں۔'' (یوسف: 37)

سوال2: ﴿ وَ یُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡكَ وَ عَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ ﴾ ''اور آپ پر اور اولادِ یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا'' سے مراد کون سی نعمت کی تکمیل ہے؟

جواب: (1) ''اور آپ پر اور اولادِ یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا'' بڑی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت نبوت ہے۔ اس نعمت کی تکمیل سے مراد نبوت کا مل جانا ہے۔ (2) نعمت سے مراد وہ انعامات بھی ہیں جو سیدنا یوسف علیہ السلام کو مصر لے جا کر عطا کیے گئے۔ (3) یعنی وہ دنیا میں تجھے بھلائی عطا کرے گا اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کرے گا۔

سوال3: ﴿ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤی اَبَوَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ ﴾ ''جیسا کہ اس سے پہلے اس نے آپ کے دونوں باپ دادا ابراہیم

اوراسحٰق پراسے پورا کیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اورسیدنا اسحٰق علیہ السلام کو بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا۔اسی لیے فرمایا کہ جیسے ان کے لیے انعامات کی تکمیل کی تھی آپ پر بھی کریں گے۔(2)نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی ہدایت کی توفیق ہے۔(3)نبوت انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی تکمیل ہے اسی لیے نبوت کو اتمام نعمت قرار دیا گیا۔

سوال4:﴿ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾''یقیناً آپ کا رب سب کچھ جاننے والا،کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾''یقیناً آپ کا رب سب کچھ جاننے والا،کمال حکمت والا ہے''یعنی آپ کا رب فضیلت کے مواقع کو جانتا ہے اور(یہ کہ)کون نعمتوں کے انتخاب کے لائق ہے۔(جامع البیان:161)(2)یعنی اللہ تعالیٰ کا علم تمام اشیاء اور بندوں کے سینوں میں چھپے ہوئے اچھے برے خیالات کو محیط ہے۔(3)﴿ حَكِيْمٌ ﴾''کمال حکمت والا''یعنی وہ سب کو اپنی حمد اور حکمت کے مطابق عطا کرتا ہے۔وہ حکمت والا ہے اور تمام اشیاء کو اپنے مقام پر رکھتا ہے۔(تفسیر سعدی:1240/2)

رکوع نمبر:12

﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِيْنَ(7) ﴾

''حقیقت یہ ہے کہ یوسف اوراس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''(7)

سوال:﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ﴾''حقیقت یہ ہے کہ یوسف اوراس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تبارک تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ ﴾''حقیقت یہ ہے کہ یوسف اوراس کے بھائیوں میں نشانیاں ہیں''یعنی سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بہت سے اسباق ہیں۔اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اوراس کی حکمت کے دلائل ہیں۔یہ واقعہ تو نصیحتوں کا خزینہ ہے۔(2)﴿ لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ﴾''پوچھنے والوں کے لیے''یعنی جو بھی اس واقعہ کے بارے میں سوال کرتا ہے اس کے لیے آیات الٰہی اوراسباق سے فائدہ اٹھانے کا سامان ہے۔(3)سیدنا یوسف علیہ السلام اوران کے بھائیوں کے بارے میں اہل مکہ نے سوال کیا تھا جن کا تذکرہ انہوں نے اپنے سفروں کے دوران یہودیوں سے سن رکھا تھا۔اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نبی ﷺ کی نبوت کی صداقت کی نشانیاں ہیں۔اہل مکہ کو بتادیا گیا کہ تم وہ لوگ ہو جو برادران یوسف کا کردار ادا کر رہے ہو۔یہ بتایا گیا کہ نبی ﷺ کا انجام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہی ہونے والا ہے،جو سیدنا یوسف علیہ السلام کا مصر میں ہوا۔

﴿ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ(8) ﴾

’’جب انہوں نے کہا:’’ یقیناً یوسف اور اس کا بھائی دونوں ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں، یقیناً ہمارے والد ایک واضح غلطی پر ہیں۔‘‘(8)

سوال1: ﴿ **اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ** ﴾ ’’جب انہوں نے کہا:’’ یقیناً یوسف اور اس کا بھائی دونوں ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **اِذْ قَالُوْا** ﴾ ’’جب انہوں نے کہا‘‘یعنی جب انہوں نے ایک دوسرے کو کہا۔(2)﴿ **لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ** ﴾ ’’یقیناً یوسف اور اس کا بھائی‘‘یوں تو سب ہی یوسف کے بھائی تھےلیکن بنیامین ان کی والدہ راحیل کی طرف سے ان کا بھائی تھا۔(3)﴿ **اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ** ﴾ ’’ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں‘‘سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو وہم ہو گیا تھا کہ باپ کی نظر شفقت جس قدر یوسف اور بنیامین پر ہے اتنی اوروں پر نہیں اس لیے انہوں نے آپس میں قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہمارے باپ کو جس قدر یوسف اور اس کے بھائی سے محبت ہے اتنی ہم سے نہیں حالانکہ وہ صرف دو ہیں اور ہیں بھی کمزور (چھوٹے) اور ہماری ایک جماعت ہے جو طاقت ور بھی ہے۔(مختصر ابن کثیر:867/1)

سوال2: ﴿ **اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ** ﴾ ’’یقیناً ہمارے والد ایک واضح غلطی پر ہیں‘‘یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کے بارے میں کیوں سوچا کہ وہ غلطی پر ہیں؟

جواب:(1)یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یہ خیال تھا کہ کمزور اور تعداد میں کم لوگوں کے مقابلے میں قوت والوں اور کثیر لوگوں سے زیادہ محبت کرنی چاہئے اور ان کے والد یعقوب علیہ السلام چونکہ ایسا نہیں کر رہے تھے اس لیے انہوں نے یہ سمجھا کہ ہمارے والد کھلی غلطی پر ہیں۔(2)یہاں ضلال سے مراد وہ سمجھ کی غلطی ہے جو سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے مطابق باپ سے بچوں کے درمیان ترجیح کے معاملے میں ہوئی۔(3)سعدی نے کہا کہ ضلال سے مراد ان کے معاملے میں گمراہی تھا۔(جامع البیان:163)(4)سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد سے بد گمان ہو گئے تھے۔جس نے انہیں غصہ دلایا تھا اور جب کینے نے غصے کو زیادہ جوش دلایا تو شیطان ان کے دلوں میں داخل ہو گیا اور انہیں حقیقت کو سمجھنے میں مشکل پیش آئی۔(5)سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ نے) میرے والد بشیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضامند نہیں ہوں جب تک کہ تم اس ہبہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنالو۔ چنانچہ سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنے بیٹے نعمان کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک چیز دی ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس ہبہ پر آپ کو گواہ بنالوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو ایک ایک غلام دیا ہے؟انہوں نے کہا کہ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:’’ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔‘‘سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد واپس

آئے اور مجھے جو چیز دی تھی وہ واپس لے لی۔ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا کہ ’’میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔‘‘(مشکوۃ:261/1)

﴿ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ(9) ﴾

’’یوسف کو قتل کردو یا اسے کسی زمین میں پھینک دو،تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہوجائے گی اور اس کے بعد تم نیک بن جانا۔‘‘(9)

سوال1: ﴿ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ ﴾’’یوسف کو قتل کردو یا اسے کسی زمین میں پھینک دو،تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہوجائے گی‘‘یوسف کے بھائیوں کے لیے ان کا قتل کیسے آسان ہوگیا تھا؟

جواب:(1)سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے دلوں میں شیطان داخل ہوگیا تھا۔جنہوں نے باپ کی توجہ بٹ جانا اتنا برا جانا کہ قتل جیسا بڑا جرم ان کے لیے آسان ہوگیا۔ان کے نزدیک باپ کی زیادہ محبت ایسا بڑا جرم بن گیا جس کی وجہ سے وہ اپنے چھوٹے بھائی کی جان لینے کے لیے تیار ہوگئے جو نبی کا بیٹا تھا اور اپنا دفاع نہیں کرسکتا تھا۔(2)سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے اور اپنے والد کے درمیان سے ہٹانے کے لیے تدبیر کی،ان کے خیال میں جدا کرنے کی یہی تراکیب تھیں یا تو قتل کردو یا اس زمین سے لے جا کر کہیں دور پھینک آؤ۔(3)﴿ أَوِ اطْرَحُوهُ ﴾’’اسے کسی زمین میں پھینک دو‘‘یعنی دور کی زمین میں پھینک دو جہاں وہ اپنے باپ کو نظر نہ آسکے۔(4)﴿ يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ ﴾’’تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہوجائے گی‘‘اگر آپ نے یوسف کو راستے سے ہٹا دیا تو تمہارے والد کی توجہ تمہاری طرف ہوجائے گی۔(5)اس وقت تو اسے تمہاری محبت کے لیے وقت نہیں یوسف علیہ السلام میں مشغول ہے۔یوسف علیہ السلام کے درمیان سے نکل جانے کے بعد تمہارے باپ کی محبت خالص تمہارے لیے ہوجائے گی۔

سوال2: ﴿ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴾’’اور اس کے بعد تم نیک بن جانا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ ﴾’’اور اس کے بعد تم بن جانا‘‘اور اس قتل کے بعد یا جلا وطنی کے بعد۔(2)﴿ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴾’’نیک‘‘یعنی اس قتل کے گناہ کے بعد توبہ کرلینا،اپنی اصلاح کرلینا۔اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔(3)تم اپنے دینی امور اور اپنے باپ کی اطاعت میں نیک بن جانا یا اپنے دنیاوی امور میں اصلاح کرلینا جنہوں نے تمہیں مشغول رکھا اور وہ یوسف علیہ السلام سے حسد ہے جس نے تمہارے خیالات کو پراگندہ رکھا۔اپنے ان گناہوں سے توبہ کرلینا۔(فتح القدیر)(4)یہ گناہ سے پہلے توبہ کا عزم ہے۔ایسے عزم سے گناہ آسان ہوجاتے ہیں،ایسے ارادے گناہ پر آمادہ کرنے کے لیے ایک دوسرے میں حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔(5)’’یہ کام کرنے کے بعد نیک بن جانا‘‘یہ مشورہ شیطان نے دیا تھا۔شیطان نے یہ مشورہ اس وقت دیا تھا جب کینے کی آگ بھڑک اٹھی تھی عین اس موقعے پر اس نے کہا قتل کردو اس کے بعد توبہ کرکے نیک بن جانا۔

﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِيۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ (10) ﴾

''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''یوسف کو قتل نہ کرو اور اگر تم کرنے ہی والے ہو تو اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ کوئی قافلہ اسے اٹھالے جائے گا۔'' (10)

سوال 1: ﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِيۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴾ ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''یوسف کو قتل نہ کرو اور اگر تم کرنے ہی والے ہو تو اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ کوئی قافلہ اسے اٹھالے جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ ﴾ ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا'' قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ روبیل تھا جو سب سے بڑا تھا اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی خالہ کا بیٹا تھا۔ (جامع البیان: 164,165) (2) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں سے کسی نے کہا جنہوں نے قتل یا جلاوطنی کا ارادہ کیا تھا۔ (3) ﴿ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ ﴾ ''یوسف کو قتل نہ کرو'' کیونکہ قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے یعنی محض حسد کی وجہ سے جو دشمنی ہوگئی اس کی وجہ سے ناحق قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور خاص طور پر اپنے بھائی کو قتل کرنا ناقابل معافی جرم ہے۔ جہاں تک یوسف علیہ السلام کو باپ کی نظروں سے دور کرنے کا تعلق ہے وہ قتل کے بغیر بھی حاصل ہو جائے گا۔ اس نے مشورہ دیا۔ (4) ﴿ وَاَلۡقُوۡهُ فِيۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ ﴾ ''تو اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو'' اور بالآخر یہ بات طے بھی ہوگئی کہ یوسف علیہ السلام کو کسی بے آباد کنوئیں میں ڈال دیا جائے اور یوسف علیہ السلام کو دھمکایا جائے کہ اس واقعہ سے کسی کو آگاہ نہ کرے۔ (5) ﴿ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ ﴾ ''کوئی قافلہ اسے اٹھالے جائے گا'' تاکہ اگر کوئی قافلہ وہاں سے گزرے تو وہ یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جائے۔ اس سے قتل جیسے جرم سے بھی بچ جائیں گے اور مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ (6) اس پورے معاملے میں سب سے اچھی رائے یہی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر وہ قتل پر اتفاق بھی کر لیتے تو سیدنا یوسف علیہ السلام کو قتل کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ مصر کی حکومت بھی عطا کی جائے اور انہیں علم تعبیر بھی دیا جائے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بڑے بھائی نے یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ (7) اس قول کا قائل جناب یوسف علیہ السلام کے بارے میں سب سے اچھی رائے رکھنے والا اس پورے قصے میں سب سے زیادہ نیک اور تقویٰ پر مبنی رویے کا حامل تھا کیونکہ کچھ برائیاں دوسری برائیوں سے کمتر ہوتی ہیں اور کم نقصان سے بڑے نقصان کو دور کیا جا سکتا ہے۔

﴿ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ (11) ﴾

''انہوں نے کہا: ''اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے؟ حالانکہ بلاشبہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں۔'' (11)

سوال: ﴿ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا لَکَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی یُوۡسُفَ وَ اِنَّا لَہٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴾ ''انہوں نے کہا:''اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے؟ حالانکہ بلاشبہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالُوۡا ﴾ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا۔ (2) ﴿ یٰۤاَبَانَا مَا لَکَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی یُوۡسُفَ ﴾ ''اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے؟''یعنی آپ یوسف کے معاملے میں ہمیں امین کیوں نہیں سمجھتے کہ اسے ہمارے ساتھ صحرا میں جانے کے لیے چھوڑ دیں؟ کیا بھائیوں سے بڑھ کر بھی کوئی خیر خواہ ہوسکتا ہے؟ (3) کون سی چیز ہے جو یوسف کے معاملے میں آپ کو ہم سے خوف زدہ کر رہی ہے؟ (4) ﴿ وَ اِنَّا لَہٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴾ ''حالانکہ بلاشبہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں''یعنی ہم اس کے لیے بھی وہی کچھ چاہتے ہیں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ (5) سیدنا یعقوب علیہ السلام سیدنا یوسف علیہ السلام کو جنگل میں جانے نہیں دیتے تھے اس بات پر ان کے بھائیوں کا قول دلیل ہے۔

﴿ اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا غَدًا یَّرۡتَعۡ وَ یَلۡعَبۡ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (12) ﴾

''کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ وہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم ضرور ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''(12)

سوال 1: ﴿ اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا غَدًا یَّرۡتَعۡ وَ یَلۡعَبۡ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾ ''کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ وہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم ضرور ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا غَدًا ﴾ ''کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے'' کل یوسف کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لیے بھیج دیجیے۔ (2) ﴿ یَّرۡتَعۡ وَ یَلۡعَبۡ ﴾ ''وہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے''یعنی ہمارے ساتھ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے تاکہ اس کی وحشت دور ہو جائے۔ (3) ﴿ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾ ''ہم ضرور ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''یعنی ہر مصیبت سے جو اسے پہنچے گی ہم حفاظت کرنے والے ہیں۔ (تفسیر مراغی) (4) یعنی ہم اس کا دھیان رکھیں گے اور اسے جو چیزیں تکلیف پہنچا سکتی ہیں ان سے بچائیں گے۔

سوال 2: کھیل کود کے بارے میں اسلام کا کیا مئوقف ہے؟

جواب: کھیل اور تفریح انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ جائز کھیل اور تفریح پر کوئی پابندی نہیں۔ ایسے کھیل اور تفریح جائز ہیں جس میں کسی قسم کی قباحت نہ ہو اور جو حرام تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنیں۔

﴿ قَالَ اِنِّیۡ لَیَحۡزُنُنِیۡۤ اَنۡ تَذۡہَبُوۡا بِہٖ وَ اَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَہُ الذِّئۡبُ وَ اَنۡتُمۡ عَنۡہُ غٰفِلُوۡنَ (13) ﴾

''اس نے کہا:''یقیناً مجھے غم زدہ کرتی ہے یہ بات کہ تم اس کو لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو۔''(13)

سوال: ﴿ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِيٓ أَن تَذْهَبُوا۟ بِهِۦ وَأَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ ٱلذِّئْبُ وَأَنتُمْ عَنْهُ غَٰفِلُونَ ﴾ ''اس نے کہا: ''یقیناً مجھے غم زدہ کرتی ہے یہ بات کہ تم اس کو لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ ﴾ یعقوب علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿ إِنِّي لَيَحْزُنُنِيٓ أَن تَذْهَبُوا۟ بِهِۦ ﴾ ''یقیناً مجھے غم زدہ کرتی ہے یہ بات کہ تم اس کو لے جاؤ'' یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے بے پناہ محبت تھی کیونکہ وہ ان میں مستقبل میں ملنے والی نبوت کے آثار دیکھ رہے تھے اور یوسف علیہ السلام کی صورت اور سیرت کا حسن محبت کا موجب تھا۔ اس لیے انہوں نے بھائیوں کے اصرار پر کہا: تم جانتے ہو مجھے یوسف سے کیسی محبت ہے؟ میں اس کی جدائی کیسے برداشت کروں گا؟ اس کی جدائی کا احساس مجھے غم میں مبتلا کرتا ہے، یوسف کو کیسے تمہارے ساتھ بھیج دوں؟ مجھے اس کی جدائی کا غم تمہارے ساتھ بھیجنے سے روکتا ہے اور دوسرے۔ (3) ﴿ وَأَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ ٱلذِّئْبُ وَأَنتُمْ عَنْهُ غَٰفِلُونَ ﴾ ''اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو'' یعنی تمہاری غفلت کی وجہ سے مجھے خوف آتا ہے کیونکہ یوسف چھوٹا ہے ابھی اپنی حفاظت نہیں کر سکتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم یوسف کو سامان کے پاس چھوڑ کر شکار کرنے چلے جاؤ اور کوئی بھیڑیا میرے بیٹے کو کھا جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

﴿ قَالُوا۟ لَئِنْ أَكَلَهُ ٱلذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّآ إِذًا لَّخَٰسِرُونَ (14) ﴾

''انہوں نے کہا: ''اگر واقعی اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں تب تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔'' (14)

سوال: ﴿ قَالُوا۟ لَئِنْ أَكَلَهُ ٱلذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّآ إِذًا لَّخَٰسِرُونَ ﴾ ''انہوں نے کہا: ''اگر واقعی اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں تب تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالُوا۟ لَئِنْ أَكَلَهُ ٱلذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ﴾ ''انہوں نے کہا: ''اگر واقعی اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں'' سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کو جواب دیا کہ ہم بھائیوں کا تو پورا جتھہ ہیں اور ہم یوسف علیہ السلام کی حفاظت بھی کرنا چاہتے ہیں پھر آپ کیوں خوف زدہ ہیں؟ یوں انہوں نے دوسرے اندیشے کا علاج کیا جو بیٹے کو بھیجنے کے راستے کی رکاوٹ تھا۔ (2) ﴿ إِنَّآ إِذًا لَّخَٰسِرُونَ ﴾ ''ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہوں گے'' یعنی اگر ہماری موجودگی میں بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو چھین کر لے جائے پھر تو ہم میں کوئی چیز نہیں جس سے کوئی امید رکھی جا سکے، ہم تو بالکل گئے گزرے لوگ ہیں۔

﴿ فَلَمَّا ذَهَبُوا۟ بِهِۦ وَأَجْمَعُوٓا۟ أَن يَجْعَلُوهُ فِى غَيَٰبَتِ ٱلْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (15) ﴾

''پھر جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تم ان کو ضرور ان کے اس کام کی خبر دو گے اس حال میں کہ وہ نہیں سمجھتے ہوں گے۔'' (15)

سوال1: ﴿ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ﴾ ’’پھر جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے طے کرلیا کہ اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)جب سیدنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے بھائیوں نے پوری تفصیل کے ساتھ ان اسباب کا ذکر کیا جو سیدنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو ساتھ لے جانے کے لیے سیدنا یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام کے دل میں جگہ بنا سکتے تھے پھر ساتھ ہی ان کے اندیشوں کو دور کرنے کے لیے دلائل دیے تو سیدنا یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام نے ان کی باتوں میں آ کر سیدنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو تفریح کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو دعائیں دے کر رخصت کیا ۔(2)بھائی یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو لے کر جنگل کی طرف چلے گئے ۔ان کے دل باپ کی نگاہوں سے دور ہوتے ہی پتھر ہوگئے ۔انہوں نے جنگل میں جا کر اندھے کنوئیں میں پھینکنے کا ارادہ کرلیا۔اب ان کی پوزیشن واضح تھی وہ عمل کرنے پر قدرت رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے فیصلے پر عمل کیا اور یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں کنوئیں میں پھینک دیا اور جب وہ کنوئیں میں پہنچ گئے تو رسی کاٹ دی، وہ پانی میں گرے ۔انہوں نے غوطہ کھایا اور چٹان پر کھڑے ہوگئے ۔(3)یہ بھائی بھول گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس جہان میں کسی کو اختیار حاصل نہیں ۔وہ الفاظ سے اپنے آپ کو خیر خواہ ثابت کررہے تھے، حالانکہ خیر خواہی عمل سے ہوتی ہے ۔ان کے دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے خالی تھے ۔وہ اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کو جوان کا بھائی تھا، ان کے باپ کا جگر گوشہ تھا اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باپ سے جدا کرنے کے لیے ہر تدبیر عمل میں لا رہے تھے ۔ان کے دلوں میں کینے کی آگ دہک رہی تھی ۔

سوال2: ﴿ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴾ ’’اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تم ان کو ضرور ان کے اس کام کی خبر دو گے اس حال میں کہ وہ نہیں سمجھتے ہوں گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ ﴾ ’’اور ہم نے اس کی طرف وحی کی‘‘ اللہ رب العزت نے یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی کی جب کہ وہ انتہائی خوف کی حالت میں تھے کہ غم نہ کرو یہ وقت گزر جائے گا ۔(2)﴿ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴾ ’’کہ تم ان کو ضرور ان کے اس کام کی خبر دو گے اس حال میں کہ وہ نہیں سمجھتے ہوں گے‘‘یعنی وہ وقت آنے والا ہے جب آپ اپنے بھائیوں کو اس معاملے کے بارے میں آگاہ کریں گے جب کہ وہ بے خبر ہوں گے ۔(3)اس میں سیدنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے لیے خوش خبری تھی کہ وہ مصیبت سے نجات پا جائیں گے اور اللہ رب العزت انہیں اور ان کے گھر والوں کو اکٹھا کرے گا جب کہ آپ عزت اور اقتدار کے مقام پر ہوں گے ۔

﴿ وَ جَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ(16) ﴾

’’اور وہ رات کو اپنے باپ کے پاس آئے کہ وہ رو رہے تھے ۔‘‘(16)

سوال: ﴿ وَ جَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ ﴾ ’’اور وہ رات کو اپنے باپ کے پاس آئے کہ وہ رو رہے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: برادران یوسف معمول کے وقت سے تاخیر کرکے، روتے دھوتے آئے تاکہ انہیں سچا سمجھا جائے۔ اپنے بھائی پرظلم کرکے، باپ کے دل کو چھلنی کرنے کے لیے رو رو کر اپنی داستان سنانے لگے۔

﴿ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ (17) ﴾

انہوں نے کہا: ''اے ہمارے ابا جان! بے شک ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلتے چلے گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا سو اس کو بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہرگز ہمارا یقین کرنے والے نہیں خواہ ہم سچے ہوں۔''(17)

سوال1: ﴿ **قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ** ﴾ ''انہوں نے کہا: ''اے ہمارے ابا جان! بے شک ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلتے چلے گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا سو اس کو بھیڑیا کھا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **قَالُوْا** ﴾ انہوں نے جھوٹا عذر بیان کرتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿ **يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ** ﴾ ہم مقابلہ کرنے لگ گئے تھے، بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔ (3) ﴿ **وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ** ﴾ ''اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا سو اس کو بھیڑیا کھا گیا'' اور ہم نے یوسف علیہ السلام کے آرام اور سامان کی حفاظت کے لیے یوسف علیہ السلام کو سامان کے پاس چھوڑ دیا۔ (4) ﴿ **فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ** ﴾ ''سو اس کو بھیڑیا کھا گیا'' اللہ تعالیٰ کی تقدیر کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا، جس کا ہمیں بہت دکھ ہے۔

سوال2: ﴿ **وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ** ﴾ ''اور آپ ہرگز ہمارا یقین کرنے والے نہیں خواہ ہم سچے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا** ﴾ ''اور آپ ہرگز ہمارا یقین کرنے والے نہیں خواہ ہم سچے ہوں'' یعنی تو ہماری بات کو سچ ماننے والا نہیں۔ (بخاری: کتاب التفسیر) (2) بیٹوں نے باپ سے کہا: آپ کا دل غم گین ہے اس لیے آپ ہماری بات نہیں مانیں گے۔ (3) یعنی معاملے کی نزاکت ایسی ہے کہ آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ آپ نے ہمارے جاتے وقت جو اندیشہ ظاہر فرمایا تھا سوء اتفاق سے وہی بات سامنے آئی۔ اب ہم لاکھ قسمیں کھائیں، لاکھ سر پٹخیں مگر آپ ہمیں جھوٹا ہی مانیں گے۔ دراصل واقعہ کا انوکھا پن بھی ہمیں حیران کیے ہوئے ہے کہ آخر یہ کیا ہو گیا، ہمیں تو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا، یہ تو تھیں زبانی لن ترانیاں۔ (مختصر ابن کثیر: 870/1) (4) آپ ہماری باتوں کا یقین نہیں کریں گے کہ آپ کی نظروں میں ہم مشکوک ہیں۔

﴿ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (18) ﴾

''اور وہ یوسف کے قمیض پر جھوٹا خون لگا لائے، باپ نے کہا: '' بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک کام مزین کر دیا ہے، سو (میرا کام) اچھا صبر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس پر مدد مانگی جا سکتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔'' (18)

سوال 1: ﴿ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ﴾ '' اور وہ یوسف کے قمیض پر جھوٹا خون لگا لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) برادران یوسف نے اپنے عذر کو ثابت کرنے کے لیے ایک بکری کے بچے کے خون سے یوسف علیہ السلام کا قمیص بھر دیا تھا کہ یقین آجائے کہ اسے واقعی بھیڑیا کھا گیا ہے۔ (2) سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اگر بھیڑیا کھاتا تو قمیص پھٹی ہوتی۔ (جامع البیان:175) برادران یوسف قمیص پھاڑنا بھول گئے تھے۔ عجیب معاملہ تھا کہ قمیص خون سے بھری ہوئی صحیح سلامت تھی۔ گویا بھیڑیے نے اسے آرام سے اتارا اور پھر پھاڑ کھایا۔

سوال 2: ﴿ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ﴾ '' باپ نے کہا: '' بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک کام مزین کر دیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ سَوَّلَتْ ﴾ کا معنی تمہارے دلوں نے ایک من گھڑت بات کو اپنے لیے اچھا سمجھ لیا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) (2) یعنی تمہارے دلوں نے ایک بڑے کام کو تمہارے لیے مزین اور آسان کر دیا کہ تم نے اس کا ارتکاب کر لیا۔ (الاساس فی التفسیر 2638/1:) (3) سیدنا یعقوب علیہ السلام پر حقیقت کھل چکی تھی اس لیے انہوں نے کہا: تمہارے نفس نے میرے اور یوسف علیہ السلام کے درمیان جدائی ڈالنے کے لیے ایک برے کام کو تمہارے سامنے مزین کر دیا کیونکہ قرائن و احوال اور یوسف علیہ السلام کا خواب یعقوب علیہ السلام کے اس قول پر دلالت کرتے تھے۔ (تفسیر سعدی:1244/2)

سوال 3: ﴿ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ '' اچھا صبر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس پر مدد مانگی جا سکتی ہے جو تم بیان کرتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ﴾ '' اچھا صبر ہے'' سیدنا یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں اس آزمائش میں صبر جمیل پر قائم رہوں گا۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکوہ لوگوں کے سامنے نہیں کروں گا۔ (2) مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: جمیل صبر وہی ہوتا ہے جس میں کسی طرح کی شکایت نہ ہو۔ (3) عبدالرزاق نے امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے بعض اصحاب سے روایت کی ہے کہ تین باتیں صبر میں سے ہیں یعنی صبر جمیل میں تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (ا) کسی سے شکوہ نہ کیا جائے۔ (ب) مصیبت کسی پر ظاہر نہ کی جائے۔ (ج) خود کو بے گناہ نہ سمجھا جائے۔ (جامع البیان:175) (4) اس کی تفسیر میں امام بخاری افک والی حدیث لائے ہیں جس میں ہے کہ اللہ کی قسم میری اور تمہاری مثال یوسف علیہ السلام کے والد کی سی ہے جنہوں نے فرمایا تھا کہ اب تو صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری ان لن ترانیوں پر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کی درخواست ہے۔ (مختصر ابن کثیر:870/1، 871) (5) ﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ '' اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس پر مدد مانگی جا سکتی ہے جو تم بیان کرتے ہو''

یعنی جوجھوٹ تم بولتے ہواس پر میں اللہ تعالیٰ سے مددطلب کرتا ہوں ۔سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے معاملے کواللہ تعالیٰ کے حوالے کیااور اس سے مدد چاہی جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اس یقین کے ساتھ انہوں نے اپنی قوت اوراختیار پر بھروسہ نہیں کیااوراپنے رب کے سامنے اپنے صدمے کی شکایت رکھی ۔﴿ **قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ** ﴾''یعقوب نے کہا: میں اپنی ظاہر ہوجانے والی بےقراری اورغم کاشکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں ۔''(یوسف:86)اللہ تعالیٰ کے پاس شکوہ کرنا صبر کے منافی نہیں ہے ۔**(6)** سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاجومومن لوگوں سے مل کررہتاہے اوران کی ایذاپرصبرکرتاہے(انتقام نہیں لیتانہ ان کی شکایت میں زبان کھولتاہے)اس کوزیادہ ثواب ہے اس مومن سے جولوگوں سے نہیں ملتانہ ان کی ایذاپرصبرکرتاہے ۔(سنن ابن ماجہ:4032)**(7)** سیدنا ابو یحییٰ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''مومن کامعاملہ بھی عجیب ہے۔اس کے ہرکام میں اس کے لئے بھلائی ہے اوریہ چیزمومن کے سواکسی کوحاصل نہیں۔اگراسے خوش حالی نصیب ہو،اس پراللہ تعالیٰ کاشکرکرتاہے،تو(یہ شکرکرنابھی) اس کے لئے بہتر ہے(یعنی اس میں اجرہے) اوراسے تکلیف پہنچے توصبرکرتاہے،تو یہ(صبرکرنا بھی)اس کے لئے بہتر ہے(کہ صبربھی بجائے خودنیک عمل اورباعث اجرہے۔)(صحیح مسلم :7500)

﴿ **وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ(19)** ﴾

''اورایک راہ چلتا قافلہ آیاتوانہوں نے اپناپانی لانے والا بھیجا،چنانچہ اس نے اپناڈول لٹکایاتوکہا:''مبارک ہو!یہ ایک لڑکاہے''اور انہوں نے تجارت کامال بناکراسے چھپارکھاحالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والاہے اس کوجووہ کررہے تھے۔''(19)

سوال:﴿ **وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ** ﴾''اورایک راہ چلتا قافلہ آیاتوانہوں نے اپناپانی لانے والا بھیجا،چنانچہ اس نے اپناڈول لٹکایاتوکہا:''مبارک ہو!یہ ایک لڑکاہے''اورانہوں نے تجارت کامال بناکراسے چھپارکھاحالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والاہے اس کوجووہ کررہے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ** ﴾''اورایک راہ چلتا قافلہ آیا''سیدنا یوسف علیہ السلام کی کنعان سے روانگی کے لیے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق خفیہ تدبیرعمل میں آئی۔بھائیوں نے کنوئیں کی تاریکی میں بےیارومددگارچھوڑدیاتوتین دن بعدایک قافلہ ادھرسے گزرا۔**(2)** ایک تجارتی قافلہ جومدین سے مصرجارہاتھااس کاگزرکنوئیں کے پاس سے ہوا۔**(3)**﴿ **فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ** ﴾''توانہوں نے اپناپانی لانے والا بھیجا''قافلے والوں کوپانی کی ضرورت پڑی توپانی کی تلاش کے لیے ہراول سقے کوبھیجا۔**(4)**﴿ **فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ** ﴾''اس نے اپناڈول لٹکایا''یعنی

پانی تلاش کرنے والے سقے نے ڈول لٹکایا تو یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈول کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور ڈول کے ساتھ باہر آجاتے ہیں۔(5)﴿قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ﴾''تو کہا:''مبارک ہو! یہ ایک لڑکا ہے''سیدنا یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مارے خوشی کے ہراول سقہ چیخ پڑا کہ یہ تو قیمتی غلام ہے۔(6)﴿وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً﴾''اورانہوں نے تجارت کا مال بنا کر اسے چھپا رکھا''پھر یوسف علیہ السلام کو قیمتی مال تجارت کی طرح چھپا دیا اور دوسرے لوگوں پر بھی ظاہر نہ کیا۔انہیں یہی کہا کہ قریب رہنے والوں سے خریدا ہے۔(7)یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی قریب ہی تھے انہوں نے ظاہر کیا کہ یوسف علیہ السلام ان کا بھاگا ہوا غلام ہے۔اس طرح قافلے والوں نے غلام یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے معمولی قیمت پر خرید لیا۔(8)﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾''حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اس کو جو وہ کر رہے تھے''اللہ تعالیٰ نے اس میں شدید دھمکی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے جو کچھ انہوں نے کیا۔

﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ(20)﴾

''اورانہوں نے تھوڑی سی قیمت پر چند گنے ہوئے درہموں میں اسے بیچ دیا اور وہ اس سے رغبت نہ رکھنے والوں میں سے تھے۔''(20)

سوال:﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ﴾''اورانہوں نے تھوڑی سی قیمت پر چند گنے ہوئے درہموں میں اسے بیچ دیا اور وہ اس سے رغبت نہ رکھنے والوں میں سے تھے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ﴾''اورانہوں نے تھوڑی سی قیمت پر اسے بیچ دیا''سیدنا یوسف علیہ السلام بک گئے اور بہت ہی معمولی قیمت میں۔(2)﴿دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ﴾''چند گنے ہوئے درہموں میں،اور وہ اس سے رغبت نہ رکھنے والوں میں سے تھے''چند درہموں کے عوض کیونکہ ان کا مقصد یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنا تھا۔اس لیے وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اسے غائب کر دیں۔دراصل ان کا مقصد یوسف علیہ السلام کی قیمت حاصل کرنا نہیں تھا۔اس لیے وہ اس لین دین سے بھی بے زار ہو رہے تھے۔

رکوع نمبر:13

﴿وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ(21)﴾

''اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا:''اس کی رہائش باعزت رکھو،امید ہے وہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔''اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ دی،اور تاکہ ہم اسے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھائیں اور اللہ تعالیٰ

اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''(21)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ﴾ ''اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا: ''اس کی رہائش باعزت رکھو، امید ہے وہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ ﴾ ''اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا'' قافلہ جب مصر پہنچا تو انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو فروخت کر دیا۔عزیز مصر نے انہیں خرید لیا۔(2) اللہ تعالیٰ کے الطاف بے پایاں کا ذکر ہے کہ اس نے خریدار یوسف علیہ السلام کے دل میں آپ علیہ السلام کی محبت پیدا کر دی۔اس نے آپ علیہ السلام کی درخشاں پیشانی سے انوار سعادت جھلکتے دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ کوئی بڑا آدمی بننے والا ہے اور ہمارے حق میں یہ انتہائی بابرکت ثابت ہوگا۔خریدار یوسف علیہ السلام عزیز مصر وزیر خزانہ تھا۔(مختصر ابن کثیر 872/1:) (3) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تین شخص نہایت دور اندیش گزرے ہیں۔**(الف)** عزیز مصر جو سیدنا یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ غلام برکت والا ثابت ہوگا۔**(ب)** سیدنا شعیب علیہ السلام کی صاحب زادی جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی تاڑ لیا تھا کہ آپ علیہ السلام طاقت ور اور امانت دار ہیں اور باپ سے سفارش کی کہ آپ انہیں ملازم رکھ لیجیے۔آپ کو ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے۔**(ج)** صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو مرض الموت میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر گئے۔(4) عزیز مصر نے اپنی بیوی سے سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے کہا۔(5) ﴿ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ﴾ ''اس کی رہائش باعزت رکھو، امید ہے وہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں'' ﴿ اَكْرِمِيْ ﴾ اکرام کرو ﴿ مَثْوٰىهُ ﴾ ٹھہرنے کی جگہ ﴿ اَكْرِمِيْ ﴾ سے مراد ان کی ذات کا اکرام ہے۔اور ﴿ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ ﴾ سے مراد اس کے قیام کا اکرام کرو۔(6) ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ﴾ ''امید ہے وہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں'' یعنی یا تو ہم غلام جیسا فائدہ اٹھائیں گے کہ خدمت لیں گے یا بیٹا بنالیں گے اور نفع اٹھائیں گے۔اس نے یہ بات اس لیے کہی کہ شاید اس کے یہاں اولاد نہ تھی۔

سوال 2: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ دی'' سیدنا یوسف علیہ السلام کے قدم مصر کی سرزمین میں کیسے جمائے گئے؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سازش کی وجہ سے وہ اندھے کنوئیں میں ڈالے گئے۔پھر انہیں مصر لا کر فروخت کیا گیا اور وہ عزیز مصر کے یہاں پہنچے۔(2) سیدنا یوسف علیہ السلام کے خریدار کے دل اور ان کے خاندان میں ان کے لیے جگہ بنائی گئی۔(3) سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے معاملہ فہمی کے مواقع فراہم کیے گئے۔(4) یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے کنویں میں ڈلوا کر اور عزیز مصر کے دل میں ان کی جگہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے مصر کے اقتدار کا راستہ آسان کر دیا۔

سوال3: ﴿ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ﴾ ''اور تا کہ ہم اسے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ''اور تا کہ ہم اسے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھائیں'' سے مراد ہے ہر معاملے میں صحیح فیصلہ کرنے کی تعلیم۔(2) واقعات سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی تعلیم۔(3) خوابوں کی تعبیر کی تعلیم۔(4) زندگی کے معاملات کو سکھانے کی تعلیم۔(5) یعنی انہیں کوئی شغل اور کوئی ہم وغم لاحق نہ رہا سوائے حصول علم کے اور یہ چیز ان کے لیے علم الاحکام اور علم التعبیر وغیرہ کے حصول کا باعث بن گئی۔(تفسیر سعدی:1246/2)

سوال4: ﴿ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے''یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ کوئی نہیں ٹال سکتا۔اس کا حکم سب پر نافذ ہے۔کوئی اللہ تعالیٰ پر غالب نہیں آسکتا۔وہ سب پر غالب ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ یقیناً اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے کہہ دیتا ہے ''ہوجا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔(یٰس:82)

سوال5: ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں'' اکثر لوگ کس حقیقت سے ناواقف ہیں؟

جواب:(1) اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔(2) اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اس کائنات کے سارے کام اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہوتے ہیں۔(3) اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ لوگوں کے چاہنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔(4) اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو سارے معاملات پر کنٹرول حاصل ہے اور اس کے منصوبے کامیاب ہوکر رہتے ہیں۔(5) اکثر لوگ اس کی تخلیق کی حکمت، اس کے لطف اور اس بات کو نہیں جانتے کہ جو وہ ارادہ کرتا ہے وہ کر لیتا ہے۔(الاساس فی التفسیر)(6) ابن عطیہ نے کہا: اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے کہ جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ارادہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا اور وہ نہ ہوتا اگر اللہ تعالیٰ کا اردہ اور اس کی تدبیر نہ ہوتی۔زمخشری نے کہا: وہ لوگ نہیں جانتے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔(البحر المحیط)(7) اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے غیب کے بارے میں نہیں جانتے کہ اس میں کیسے عظیم راز اور نفع مند حکم پوشیدہ ہیں۔(فتح القدیر)(8)﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اسی وجہ سے ان سے اللہ تعالیٰ کے احکام قدریہ کے مقابلے میں افعال سرزد ہوتے ہیں حالانکہ وہ انتہائی عاجز اور انتہائی کمزور ہیں، کوئی مقابلہ کرنے والا اللہ تعالیٰ پر غالب نہیں آسکتا۔(9) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علم کی مدح اور جہالت کی مذمت کی ہے۔جہاں تک پہلے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے احسان کے مقام پر علم کا ذکر کیا جیسا کہ اس نے فرمایا:﴿ وَلِنُعَلِّمَهٗ ﴾ ''اور تا کہ ہم اسے سکھائیں'' اور جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو فرمایا:﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں'' اور علم اسی کی طرف سے ہے جس کو وہ نہیں جانتے (یہ مذمت ہے) اور علم دو طرح کا ہے: علم شریعت اور علم حقیقت اور ہر ایک کی اپنے مقام پر فضیلت ہے۔رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: اے اللہ کے رسول کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **العلم باللّٰه**: اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنا۔آپ ﷺ سے پوچھا

گیا: کون سے اعمال مرتبے کو بڑھاتے ہیں؟ فرمایا: **العلم بالله** اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنا۔ کہا گیا ہم آپ ﷺ سے عمل کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور آپ ﷺ علم کے بارے میں جواب دیتے ہیں تو فرمایا: **ان قلیل العمل ینفع مع العلم وان کثیر العمل لا ینفع مع الجهل** ' بے شک تھوڑا عمل علم کے ساتھ نفع دیتا ہے اور کثیر عمل جہالت کے ساتھ نفع نہیں دیتا۔ (روح البیان)

﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ(22) ﴾

''اور جب وہ پختہ عمری کو پہنچا، ہم نے اسے بڑی قوت فیصلہ اور بڑا علم عطا کیا اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔'' (22)

سوال 1: ﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ ''اور جب وہ پختہ عمری کو پہنچا، ہم نے اسے بڑی قوت فیصلہ اور بڑا علم عطا کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ ﴾ ''اور جب وہ پختہ عمری کو پہنچا'' یعنی جب آپ کی عقل مکمل ہوئی اور آپ کی نشوونما تکمیل تک پہنچ گئی تو ہم نے آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا۔ (مختصر ابن کثیر: 870/1) **(2)** تکمیل عقل کی مدت سے یہاں 40 سال مراد ہیں۔ **(3)** یعنی جب جناب یوسف علیہ السلام کے قوائے حسیہ اور قوائے احمویہ اپنے درجہ کمال کو پہنچ گئے اور ان میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی کہ وہ نبوت اور رسالت کا بھاری بوجھ اٹھا سکیں۔ **(4) ﴿ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾** ''ہم نے اسے بڑی قوت فیصلہ اور بڑا علم عطا کیا''، حکم اور علم عطا کرنے سے مراد **(الف)** نبوت یا اس سے پہلے کی دانش مندی ہے۔ **(ب)** ہر معاملہ میں صحیح فیصلے کرنے کی قوت ہے۔ **(ج)** واقعات کے نتائج کو معلوم کرنا ہے۔ **(د)** زندگی کے معاملات کو اچھی طرح سلجھانا ہے۔ **(5)** یعنی انہیں فہم اور علم عطا فرمایا اور علم سے مراد دین کا علم ہے۔ یعنی ہم نے ان کو نبی، رسول اور عالم ربانی بنایا۔ (تفسیر سعدی: 1246/2) **(6)** علم سے مراد دین کی سمجھ ہے۔ (البحر المحیط) **(7)** علم سے مراد عمل کرنے کی حکمت ہے۔

سوال 2: ﴿ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی جو پوری کوشش کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اخلاص کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں، اس احسان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نفع مند علم عطا فرماتے ہیں۔ **(2)** سیدنا یوسف علیہ السلام اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ اس آیت سے ہمیں یہ دلیل ملتی ہے کہ یوسف علیہ السلام احسان کے مرتبے پر فائز تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت، علم کثیر اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ الحمد للہ

سوال 3: کیا احسان یعنی حسن عمل کی جزا دنیا میں بھی ملا کرتی ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ حسن عمل یعنی پوری کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اخلاص سے عبادت کرنے اور مخلوق کو نفع پہنچانے والوں کو علم نافع عطا کرتے ہیں۔(2)اللہ تعالیٰ حسن عمل کی جزا دنیا میں بھی دیتے ہیں۔**(الف)** جیسے رشتہ داروں کے معاملے میں حسن عمل یعنی صلہ رحمی کرنے والے کی عمر اور رزق میں برکت دی جاتی ہے۔(ب)حسن عمل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کسی کے فہم میں اضافہ فرماتے ہیں۔(ج)حسن عمل کے نتیجے میں بعض اوقات اللہ تعالیٰ اقتدار عطا فرماتے ہیں۔(4)رب العزت نے فرمایا:﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴾''نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔''(الرحمٰن:60)

﴿ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ(23) ﴾

''اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا اس نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکایا اور اس نے تمام دروازے خوب بند کر دیے اور بولی:''جلدی آؤ!''یوسف نے کہا:''اللہ تعالیٰ کی پناہ! بلا شبہ میرے مالک نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا، یقیناً ظالم فلاح نہیں پاتے۔''(23)

سوال 1:﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ﴾''اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا اس نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکایا اور اس نے تمام دروازے خوب بند کر دیے اور بولی:''جلدی آؤ!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾''اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا اس نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکایا''یعنی یوسف علیہ السلام جس عورت کے غلام تھے وہ ان پر فریفتہ ہوگئی۔اس کے شوہر نے اسے تاکید کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو عزت واحترام سے رکھے۔وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر لٹو ہوگئی۔(2)سیدنا یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں رہتے تھے جہاں اس مکروہ فعل کے غیر محسوس مواقع میسر تھے۔(3)﴿ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ ﴾''اور اس نے تمام دروازے خوب بند کر دیے''یعنی جب گھر میں اس کا شوہر نہیں تھا تو اس نے دروازے بند کر دیے تاکہ کسی کی آمد کا خطرہ ہی نہ رہے۔(4)﴿ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ﴾''اور بولی:''جلدی آؤ!''اب اس نے یوسف علیہ السلام کو بدکاری کی دعوت دی کہ میرے پاس آؤ اور یہ برا کام انجام دو۔(5)سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے یہ آزمائش بھائیوں کی طرف سے پیش آنے والی آزمائش سے بڑی تھی۔سیدنا یوسف علیہ السلام پردیسی اور غلام تھے اور ایسا فرد غصے کا اظہار نہیں کر سکتا جیسا اپنے وطن میں اپنے لوگوں کے درمیان ایک آدمی اظہار کرتا ہے۔وہ عورت حسین تھی اور سیدنا یوسف علیہ السلام جوان اور غیر شادی شدہ تھے۔پھر وہ عورت دھمکیاں دے رہی تھی کہ اگر میری خواہش پوری نہ کی تو قید خانے میں بھجوا دے گی۔(6)سیدنا یوسف علیہ السلام اس فعل پر ہر طرح سے قدرت رکھنے کے باوجود اس سے رکے رہے۔انہوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو ان سارے اسباب پر ترجیح دی۔جب بھائیوں نے کنویں میں ڈالا تھا تو وہ صبر ایسی حالت میں تھا جب کہ وہ مجبور تھے اور یہ صبر اختیاری تھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اس فعل کو چھوڑ دیا۔انہوں

نے نفس کے ارادے کو جو کہ برائی کا حکم دیتا ہے چھوڑ دیا تو انہیں اپنے رب کی برہان نظر آئی۔(7) سیدنا یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو علم، فہم اور ایمان عطا کیا تھا اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے حرام ٹھہرائے ہوئے سے بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم، ایمان اور خشیت الٰہی ہی حق کی برہان تھی جس نے انہیں گناہ سے دور رکھا۔

سوال 2: ﴿ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''یوسف نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کی پناہ! بلاشبہ میرے مالک نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا، یقیناً ظالم فلاح نہیں پاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ ﴾ ''یوسف نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کی پناہ!'' سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس مکروہ فعل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لے لی۔ (2) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس فعل سے اس لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا ارتکاب کرنے والے سے ناراض ہو جاتا ہے اور اپنے سے دور کر دیتا ہے۔(3) ﴿ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ﴾ ''بلاشبہ میرے مالک نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا'' سیدنا یوسف علیہ السلام اس عورت کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمہارا شوہر میرا سردار ہے۔ اس نے مجھے اچھا مقام دیا اور میں یہ کام کروں؟ یعنی یہ فعل تو میرے آقا کے حق میں خیانت ہے۔ جس نے مجھے عزت دی میں اس کی بیوی کے ساتھ یہ کام کر کے اس کے احسانات کا ایسا برا بدلہ دوں تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ (4) ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''یقیناً ظالم فلاح نہیں پاتے'' یعنی خیانت کرنے والے ظالم ہیں اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔(5) سیدنا یوسف علیہ السلام نے تقویٰ کا راستہ اختیار کر کے اپنے آقا کے حق کی رعایت کی اور ظلم سے بچے۔

﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (24) ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً اس عورت نے اس کا ارادہ کیا اور یوسف بھی اس عورت کا ارادہ کر لیتا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی، ایسا ہی ہوا تاکہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو ہٹا دیں، یقیناً وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا۔'' (24)

سوال 1: ﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اس عورت نے اس کا ارادہ کیا اور یوسف بھی اس عورت کا ارادہ کر لیتا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اس عورت نے اس کا ارادہ کیا'' اس عورت نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو بدی کی سخت ترغیب دی۔(2) ﴿ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ﴾ ''اور یوسف بھی اس عورت کا ارادہ کر لیتا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی'' یہاں اس آیت میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا بیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے کے لیے نیکی کے ارادے پر ہی ایک نیکی اور نیکی کرنے پر دس نیکیاں لکھ لی جائیں اور اگر برائی کا ارادہ کرنے کے بعد برائی ترک کر دے تو

اس پر بھی ایک نیکی لکھ لی جائے کیونکہ اس نے میری وجہ سے برائی چھوڑ دی ہے اور اگر برائی کر لے تو ایک ہی برائی لکھی جائے۔آپ اس کا ارادہ کر لیتے اگر رب کی نشانی نہ دیکھتے مگر چونکہ آپ نے رب کی نشانی دیکھ لی تھی اس لیے آپ نے ارادہ نہیں فرمایا۔(مختصرابن کثیر:873/1) **(3)**''اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے''برہان سے مراد دین کا علم،ایمان اور خشیت الٰہی ہے۔ایمان ہی وہ حق کی برہان تھا جو یوسف علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کرواتا تھا۔**(4)** جیسا کہ ایک اور مقام پر رب العزت نے فرمایا:﴿ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴾اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ یقیناً قریب تھا کہ آپ بھی ان کی جانب تھوڑا سا جھک ہی جاتے۔(بنی اسرائیل:74) **(5)** نبی ﷺ نے حدیث احسان میں فرمایا:**اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ** احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت(اس خشوع وخضوع اور خلوص کے ساتھ) کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر(یہ حالت) نہ نصیب ہو کہ تم اسے دیکھتے ہو تو یہ خیال رہے کہ وہ تو ضرور تمہیں دیکھتا ہے۔(بخاری:50) اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا شعور انسان کو احسان کے مقام پر فائز کرتا ہے۔مشاہدہ اور مراقبہ ہی حسن عبادت اور حسن عمل کا باعث بنتے ہیں۔

سوال2:﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾''ایسا ہی ہوا تاکہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو ہٹا دیں،یقیناً وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ﴾''ایسا ہی ہوا تاکہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو ہٹا دیں''یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس گناہ سے بچایا اسی طرح دیگر برائیوں سے بچانے میں بھی مدد کرتے رہے اور انہیں ہر طرح کی برائیوں سے روکتے رہے کیونکہ آپ ہمارے مخلص و مختار بندے تھے۔(مختصرابن کثیر:873/1) **(2)** اللہ تعالیٰ نے جناب یوسف علیہ السلام کو ایمان کی برہان سے نوازا جو ان کے قلب میں جاگزیں تھا،جو ان سے اوامر الٰہی کی اطاعت اور نواہی سے اجتناب کا تقاضا کرتا تھا۔اس پورے معاملے میں جامع بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے بدی اور بے حیائی کو دور کر دیا تھا کیونکہ وہ ان بندوں میں سے تھے جو اپنی عبادت میں اخلاص سے کام لیتے ہیں،جن کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا اور اپنے لیے خالص کر لیا اور ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کر دی اور تمام ناپسندیدہ امور کو ان سے دور کر دیا۔بنابریں وہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق میں سے تھے۔**(3)** نبی ﷺ نے فرمایا:''سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا،جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا:انصاف کرنے والا حکمران،تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اشک بار ہو جانے والا انسان،وہ آدمی جو مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا دل وہیں اٹکا رہتا ہے،اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے والے دوست جو اسی بنیاد پر ملتے ہیں اور اسی حالت میں ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں،وہ آدمی جو صدقہ دیتا ہے تو اس قدر پوشیدہ رکھتا ہے کہ دائیں کے دیئے کا بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا،وہ جوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جوانی گزارتا ہے اور وہ مرد جسے کسی صاحب حیثیت اور صاحب جمال عورت نے دعوت گناہ دی تو اس نے کہہ دیا:میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔''(بخاری:660،مسلم:1031) **(4)** نبی ﷺ

کی دعا ہے:اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِهِ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ ''اے اللہ! تو ہم کو اپنا ایسا خوف عطا فرما جو ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے۔(ترمذی:528/5)(5)﴿ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ﴾ ''یقیناً وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا'' وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اپنے آپ کو خالص کرلیا۔(تفسیر کشاف)(6) رب العزت نے فرمایا:﴿ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ﴾ اس نے کہا:'' تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا۔سوائے تیرے ان بندوں کے جو خالص کر دیے گئے۔''(ص:82,83)(7)﴿ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴾ یقیناً ہم نے انہیں ایک خاص صفت کے ساتھ منتخب کیا تھا جو اصل گھر کی یاد ہے۔اور بلاشبہ وہ ہمارے نزدیک یقیناً بہترین برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔(ص:46,47)

سوال3: عزیز مصر کی بیوی برائی اور بے حیائی سے کیوں نہ بچ پائی ؟

جواب: (1) عزیز مصر کی بیوی نے اپنی فطرت کو مسخ کر ڈالا تھا۔(2) اللہ تعالیٰ سے بے خوفی کی وجہ سے اس کے اندر کا Alarming System کام نہیں کر رہا تھا۔(3) عزیز مصر کی بیوی کا اپنے رب سے تعلق نہیں تھا۔رب کی مدد سے وہ محروم ہوگئی اور برائی اور بے حیائی میں مبتلا ہوگئی۔

سوال4: کیا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نے عزیز مصر کی بیوی کا قصد کیا تھا؟

جواب: سیدنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نے رب کی برہان دیکھ لی اس لیے ارادہ نہیں کیا۔

سوال5: اللہ تعالیٰ انسان کو برائی اور بے حیائی سے کیسے دور رکھتے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر فطری طور پر برائی اور بے حیائی کی شناخت رکھی ہے۔ جسے یہاں ''برھان'' کہا گیا۔اسی کو فطری الہام کہتے ہیں۔(2) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے توسط سے علم دین عطا فرمایا، ایمان کی حقیقت سمجھائی اور مسلسل تربیت سے تقویٰ کے ایسے مقام پر پہنچایا جس کی وجہ سے برائی اور بے حیائی سے بچنا ممکن ہوجاتا ہے۔(3) برائی اور بھلائی کی پہچان اور برائی کے موقع پر انسان کے اندر سے ایک کھٹک کا ابھرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان کے اندر بڑا مضبوط Alarming System ہے۔(4) جو لوگ برائی کی کھٹک پر چونک جاتے ہیں فطرت کی پکار یعنی اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہتے ہیں وہ اپنی فطرت کو زندہ رکھتے ہیں ان کے اندر یہ صلاحیت بڑھتی چلی جاتی ہے۔(5) جو لوگ برائی کی کھٹک پر برائی چھوڑنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتے ہیں اور یوں برائی اور بے حیائی سے بچنا ممکن ہوجاتا ہے۔

﴿ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ

﴿ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ(25) ﴾

''اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اوراس نے یوسف کا قمیض پیچھے سے پھاڑ دیااوردونوں نے دروازے کے پاس اس کے شوہر کوموجود پایا، وہ بولی:'' کیاسزاہےاس کی جس نے آپ کی گھروالی سے برائی کاارادہ کیا؟ سوائے اس کے کہ اسے قید کیاجائے یا دردناک سزاہو۔''(25)

سوال1: ﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ﴾ ''اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اوراس نے یوسف کا قمیض پیچھے سے پھاڑ دیااوردونوں نے دروازے کے پاس اس کے شوہر کوموجود پایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ ﴾ ''اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے'' سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام اس عورت کے چنگل سے خود کو بچانے کے لیے دروازے کی طرف تیزی سے بھاگے تاکہ اس سے بچ کرنکل جائیں۔(2) ﴿ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ ﴾ ''اوراس نے یوسف کا قمیض پیچھے سے پھاڑ دیا'' عزیز مصر کی بیوی سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام کے پیچھے بھاگی اور پیچھے سے ان کی قمیص کو پکڑ لیا۔اس کے کھینچنے کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی کیونکہ وہ ان کو واپس لے جانا چاہتی تھی۔(3) ﴿ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ﴾ ''اور دونوں نے دروازے کے پاس اس کے شوہر کوموجود پایا'' سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام اور عزیز مصر کی بیوی بھاگتے ہوئے دروازے پر پہنچے تو انہوں نے دروازے پر عزیز مصر کو پالیا۔اس کو یہ معاملہ سخت گراں گزرا۔

سوال2: ﴿ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''وہ بولی:'' کیاسزاہےاس کی جس نے آپ کی گھروالی سے برائی کاارادہ کیا؟ سوائے اس کے کہ اسے قید کیاجائے یا دردناک سزاہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا ﴾ ''وہ بولی:'' کیاسزاہےاس کی جس نے آپ کی گھروالی سے برائی کاارادہ کیا؟'' عزیز مصر کی بیوی نے ساری ذمہ داری سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام پر ڈال دی اور جھوٹ گھڑ کر کہا کہ آپ کا غلام آپ کی بیوی کے ساتھ خیانت کرنا چاہتا تھا۔اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے آپ کی بیوی سے برائی کی؟ وہ اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنا چاہتی تھی۔(2) ﴿ اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''سوائے اس کے کہ اسے قید کیاجائے یا دردناک سزاہو'' یا تو اس کو یہ سزا دیں کہ جیل خانے میں بھیج دیں یا پھر قرار واقعی سزا دی جائے۔

سوال3: عزیز مصر کی بیوی نے خود ہی سزا بھی کیوں تجویز کر دی؟

جواب: اس عورت کو یہ ڈر تھا کہ کہیں قتل ہی نہ کر دیا جائے اس لیے ہلکی سزا تجویز کر دی۔

﴿ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ

﴿ الْكٰذِبِيْنَ(26) ﴾

''اس (یوسف) نے کہا: ''اسی نے میرے نفس کے بارے میں مجھے بہکایا'' اور عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا قمیض آگے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔'' (26)

سوال 1: ﴿ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ﴾ ''اس (یوسف) نے کہا: ''اسی نے میرے نفس کے بارے میں مجھے بہکایا'' سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام نے اپنی صفائی کے لیے کیا کہا؟

جواب: (1) سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام نے عورت کے الزام سے خود کو بری ثابت کرنے کے لیے کہا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے یہی مجھے بہکانے کی کوشش کر رہی تھی۔ (2) اس صورت حال میں دونوں کی صداقت کا احتمال تھا مگر یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ دونوں میں سے کون سچا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حق اور صداقت کی کچھ علامات اور نشانیاں مقرر فرمائی ہیں جو حق کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں جنہیں بسا اوقات بندے جانتے ہیں اور بسا اوقات نہیں جانتے۔ چنانچہ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے سچے کی پہچان سے نوازا تاکہ اس کے نبی اور چنیدہ بندے جناب یوسف عَلَیہِ السَّلام کی برأت کا اظہار ہو۔ (تفسیر سعدی: 1249/2)

سوال 2: سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام کی بے گناہی کا فیصلہ کیسے ہوا؟

جواب: سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام نے مجبوراً واقعہ بیان کیا تو عورت کے گھر والوں میں سے ایک شخص جو خاندان کا سمجھدار شخص تھا اس نے فیصلہ کیا۔

سوال 3: ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ ''اور عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا قمیض آگے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ ''اور عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی'' اللہ تعالیٰ نے عورت کے گھر والوں میں سے ایک شاہد کو کھڑا کر دیا اور اس نے قرینے کی گواہی دی کہ جس کے پاس یہ قرینہ موجود ہوگا وہی سچا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1249/2) (2) یہ گواہ ایک شیر خوار بچہ تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حالت رضاعت میں چار بچوں نے باتیں کیں جن میں: (الف) شاہد یوسف بھی ہے۔ (ب) مشاطہ بنت فرعون کا بیٹا۔ (ج) وہ بچہ جس کو ابن جریج کہا گیا۔ (د) سیدنا عیسیٰ ابن مریم۔ (ابن جریر) (3) ﴿ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ ''اگر یوسف کا قمیض آگے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے'' گواہ نے کہا کہ اگر قمیص آگے سے پھٹی ہو تو اس کا مطلب ہے مرد قصوروار ہے اور عورت دفاع کرنے والی ہے لہٰذا وہ سچی اور مرد جھوٹا ہے۔ اس نے اپنی مدافعت کی حالت میں آگے سے اس کا کرتہ پھاڑ ڈالا۔

﴿وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ(27)﴾

''اوراگراس کاقمیض پیچھے سے پھاڑا گیا ہےتو عورت نے جھوٹ کہااوروہ سچےلوگوں میں سے ہے۔''(27)

سوال: ﴿وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ''اوراگراس کاقمیض پیچھے سے پھاڑا گیا ہےتو عورت نے جھوٹ کہااوروہ سچےلوگوں میں سے ہے'' گواہ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی سچائی کے لیے کیا گواہی دی؟

جواب: گواہ نے کہا: اگرقمیض پیچھے سے پھٹی ہےتواس کا مطلب ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھےاور یہ عورت پکڑکرکھینچ رہی تھی لہٰذا عورت جھوٹی ہےاورسیدنا یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔

﴿فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ(27)﴾

''پھرجب شوہرنے دیکھا کہ یوسف کاقمیض پیچھے سے پھاڑا گیا ہےتواس نے کہا: ''یقیناًیہ تم عورتوں کےفریب میں سے ہے، بلاشبہ تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے۔''(28)

سوال1: ﴿فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾ ''پھرجب شوہرنے دیکھا کہ یوسف کاقمیض پیچھے سے پھاڑا گیا ہےتواس نے کہا: ''یقیناًیہ تم عورتوں کےفریب میں سے ہے، بلاشبہ تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے'' جب سیدنا یوسف علیہ السلام کی قمیض دیکھی گئی تو عزیز مصرفقط یہ کہہ کر کیوں رہ گیا کہ ان عورتوں کی چالیں بہت بڑی ہوتی ہیں؟

جواب: (1)قمیض کودیکھ کرثابت ہوگیا کہ عورت نے ورغلانے کی کوشش کی ہےلیکن عزیز مصرنے اس کوعورتوں کی چال قراردےکرنظر انداز کرنے کی کوشش کی۔(2)نظرانداز کرنے کا سبب ترقی یافتہ سوسائٹی کی خصوصیت ہے۔اس میں جنسی سکینڈل نظرانداز کردیے جاتے ہیں بلکہ ان کو چھپایا جاتا ہے۔(3)صدیوں پرانی سوسائٹی اورآج کی سوسائٹی میں یہ جہالت قدرمشترک ہے۔(4)یوسف علیہ السلام کی قمیض دیکھ کرعزیز مصرکویقین ہوگیا کہ یوسف علیہ السلام پاک دامن ہیں اورگناہ سراسراس کی بیوی کا ہےتو آخرکاراس نے کہہ دیا: ﴿اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾ ''بلاشبہ تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے'' اس سے بڑھ کر کیا دھوکہ دہی ہوسکتی ہے کہ بدی کا ارادہ کرکے، اس کا ارتکاب کرنے والی نے اپنے آپ کوسچا ثابت کرکے اپنا براعمل اللہ تعالیٰ کے نبی یوسف علیہ السلام کے ذمے لگادیا۔(5)عزیز مصرنے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ یہ محض ایک فریب ہےاوریقیناً عورتوں کا فریب بہت بڑا ہوتا ہے۔

سوال2: کیا تمام عورتیں مکروفریب کا پتلا ہوتی ہیں؟

جواب: (1)یہ قول کہ عورتوں کی چالیں بہت بڑی ہوتی ہیں عزیز مصرکا ہے۔(2)اسے ہرعورت پرچپکانا قرآن حکیم کا مقصد نہیں ہے۔ (3)عزیز مصرنے یہ بات اپنی بیوی کی بری حرکت دیکھ کر کہی تھی ایسی عورتوں کی چالوں کے بارے میں یہ بات درست ہے۔(4)

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔ (بخاری:5096)(5)سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو کیونکہ میں نے جہنم میں زیادہ تمھیں ہی دیکھا ہے۔ انھوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ایسا کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو، باوجود عقل اور دین میں ناقص ہونے کے میں نے تم سے زیادہ کسی کو بھی ایک عقل منداور تجربہ کار آدمی کو دیوانہ بنا دینے والا نہیں دیکھا۔ (بخاری:304)

﴿ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ (29) ﴾

"یوسف! اس سے درگزر کرو اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ تو ہی بلاشبہ خطا کاروں میں سے ہے۔" (29)

سوال 1: ﴿ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ﴾ "یوسف! اس سے درگزر کرو" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) عزیز مصر نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ اس واقعے کو درگزر کرو، کسی سے تذکرہ نہ کرو اور بھول جاؤ۔ (2) وہ اپنی بیوی کے برے عمل کی پردہ داری کرنا چاہتا تھا۔

سوال 2: ﴿ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴾ "اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ تو ہی بلاشبہ خطا کاروں میں سے ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: عزیز مصر نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اس شرم ناک فعل سے توبہ کرو اور آئندہ کبھی نہ کرنا۔

رکوع نمبر:14

﴿ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (30) ﴾

"اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے بہکا رہی ہے، یقیناً (یوسف کی) محبت اس کے دل میں بس گئی ہے، یقیناً ہم ضرور اس کو صریح گمراہی میں دیکھتی ہیں۔" (30)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ﴾ "اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے بہکا رہی ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ ﴾ "اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں" شہر کی عورتوں نے اس واقعے کو شہر کے گھر گھر تک پھیلا دیا اور عزیز مصر کی بیوی کو ملامت کرنے لگیں۔ (2) ﴿ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ﴾ "عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس

سے بہکا رہی ہے‘‘ یعنی عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کے آگے بچھی جا رہی ہے۔ یہ بہت ہی برا کام ہے۔

سوال 2: شہر کی عورتوں میں عزیز مصر کی بیوی کے معاملات کیوں زیر بحث آئے؟

جواب: (1) عزیز مصر نے سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام سے بات چھپانے کی تلقین کی۔ سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام نے یقیناً اس کا تذکرہ نہیں کیا ہوگا مگر بات پھیل گئی۔ (2) اس طرح کی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا کرتی ہیں۔ (3) اس سوسائٹی میں لوگ ایسے ہی Scandlise ہوا کرتے ہیں۔

سوال 3: ﴿ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ’’یقیناً (یوسف کی) محبت اس کے دل میں بس گئی ہے، یقیناً ہم ضرور اس کو صریح گمراہی میں دیکھتی ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ﴾ ’’یقیناً (یوسف کی) محبت اس کے دل میں بس گئی ہے‘‘ اس غلام کی محبت اس کے دل میں بس گئی ہے۔ یعنی وہ اس محبت کے انتہائی درجے تک پہنچ گئی ہے۔ (2) ﴿ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ’’یقیناً ہم ضرور اس کو صریح گمراہی میں دیکھتی ہیں‘‘ یعنی عزیز کی بیوی ایسی حالت کو پہنچ گئی ہے جو اس کے لیے مناسب نہیں۔ وہ عورتیں جو کچھ کہہ رہی تھیں وہ محض ایک چال تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ عزیز کی بیوی ہماری باتوں سے غصے میں آ کے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے سیدنا یوسف عَلَیہِ السَّلام کا دیدار کروا دے یہی ان کا مکر تھا۔

﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (31) ﴾

’’تو جب اس عورت نے ان کے فریب کے بارے میں سنا تو انہیں پیغام بھیجا اور ان کے لیے تکیہ دار مجلس منعقد کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ، پھر جب عورتوں نے اسے دیکھا تو اسے بڑا پایا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ اور کہا: ’’اللہ کی پناہ! یہ انسان نہیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔‘‘ (31)

سوال 1: ﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ﴾ ’’تو جب اس عورت نے ان کے فریب کے بارے میں سنا تو انہیں پیغام بھیجا اور ان کے لیے تکیہ دار مجلس منعقد کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ ﴾ ’’تو جب اس عورت نے ان کے فریب کے بارے میں سنا تو انہیں پیغام بھیجا‘‘ عزیز مصر کی بیوی زمانہ شناس تھی جب اس کو خبر ہوئی کہ یوسف عَلَیہِ السَّلام سے محبت کا فسانہ ہر زبان پر ہے اور سب مجھے برا کہہ رہی ہیں تو اس نے اپنے

گھر دعوت پر بلایا۔(2)﴿وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً﴾''اوران کے لیے تکیہ دارمجلس منعقد کی''عزیز کی بیوی نے ایک ایسی تکیہ دارمجلس آراستہ کی جس میں کھانے سجے ہوئے تھے۔ان کھانوں میں ایسے بھی تھے جن میں چھری کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے۔(3)﴿وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا﴾''اوران میں سے ہرایک کوایک ایک چھری دی''جب تمام خواتین دسترخوان پر بیٹھ گئیں تو ہرعورت کوایک چاقو پیش کیا گیا تاکہ کھانے کے لیے وہ استعمال کرسکیں۔(4)﴿وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ﴾''اور یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ'' سیدنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام اس حکم کی تعمیل میں باہر چلے گئے۔جس وقت سیدنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام باہر جارہے تھے تو ان عورتوں نے حسن یوسف کا نظارہ کیا تو ان کی زبان سے نکلا۔اللہ کی قسم یہ انسان نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

سوال2:﴿فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝﴾''پھرجب عورتوں نے اسے دیکھا تو اسے بڑا پایا اوروہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔اورکہا:''اللہ کی پناہ!یہ انسان نہیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ﴾''پھر جب عورتوں نے اسے دیکھا تو اسے بڑا پایا''یعنی انہوں نے یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو اپنے دل میں بڑا سمجھا اور انہوں نے ایسا حسن دیکھا کہ ہوش وحواس کھوبیٹھیں۔(2)﴿وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾''اوروہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں''انہوں نے حیرانی میں پھل کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھ اور انگلیاں کاٹ ڈالیں اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔(3)﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ﴾''اورکہا:''اللہ کی پناہ!''بے ساختگی میں ان کی زبان سے نکلا اللہ تعالیٰ پاک ہے۔(4)﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝﴾''یہ انسان نہیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے''اللہ کی قسم یہ انسان نہیں بھلا انسانوں میں ایسا حسن کہاں؟ یہ حسن تو فرشتوں کو ہی نصیب ہے۔یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے جو زمین پر اتر آیا ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ حسن اور مردانہ وجاہت عطا فرمائی تھی۔معراج والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تیسرے آسمان پر یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس سے گزرے۔آپ ﷺ نے فرمایا:یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو آدھا حسن عطا کیا گیا۔(الصحیحۃ:1481)

﴿قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ(32)﴾

''عزیز کی بیوی نے کہا:''یہی تو ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی تھی اور میں نے اسے اس کے نفس سے بہکایا تو وہ بچ نکلا اور واقعی اگر اس نے نہ کیا جو میں اسے حکم دیتی ہوں،تو ضرور وہ قید کیا جائے گا اور وہ ضرور ذلیل ہونے والوں میں سے ہوجائے''

گا۔''(32)

سوال 1: ﴿ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ﴾ ''عزیز کی بیوی نے کہا: ''یہی تو ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: عزیز مصر کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ عورتیں حسن یوسف سے مدہوش ہوگئیں، ان کو سیدنا یوسف بہت ہی اچھے لگے تو اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے باطنی حسن اور ان کی مکمل پاک دامنی کا نظارہ بھی کروانا چاہا۔ اس نے عورتوں کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر اپنی شدید محبت کا اعلان کیا۔ ﴿ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ﴾ ''عزیز کی بیوی نے کہا: ''یہی تو ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی تھی''

سوال 2: ﴿ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ﴾ ''اور میں نے اسے اس کے نفس سے بہکایا تو وہ بچ نکلا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: عزیز مصر کی بیوی نے کہا کہ تم نے مجھے طعنہ دیا تھا کہ میں نے اسے پھسلایا اور اس نے اپنے آپ کو بچالیا تو ہاں ایسا ہی ہے۔ اس نے اپنی محبت اور شوق کا اظہار کیا۔

سوال 3: ﴿ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴾ ''تو ضرور وہ قید کیا جائے گا اور وہ ضرور ذلیل ہونے والوں میں سے ہو جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: عزیز مصر کی بیوی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے عشق میں پختہ ہوگئی تھی اور شوق وصال میں اتنا آگے بڑھ گئی کہ دھمکیوں پر اتر آئی اس نے کہا: ﴿ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ ﴾ ''تو ضرور وہ قید کیا جائے گا اور وہ ضرور ذلیل ہونے والوں میں سے ہو جائے گا'' وہ چاہتی تھی کہ ہر صورت میں یوسف علیہ السلام سے اپنا مقصد حاصل کرلے اس لیے اس نے دھمکی دی کہ اگر میرا کہا نہ مانا تو تمہیں ذلت کے ساتھ قید کی زندگی گذارنی پڑے گی۔

﴿ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ (33) ﴾

''اس نے کہا: ''اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جو وہ مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے نہ ہٹایا تو میں ان کی جانب مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔''(33)

سوال 1: ﴿ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ﴾ ''اس نے کہا: ''اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جو وہ مجھے دعوت دے رہی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقعے پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جب مصر کے اونچے طبقے کی خواتین اور عزیز مصر کی بیوی ان کے آگے بچھی ہوئی تھیں۔﴿ قَالَ ﴾انہوں نے اپنے رب سے پناہ مانگتے ہوئے کہا۔﴿ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ﴾''اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جو وہ مجھے دعوت دے رہی ہیں''یوسف علیہ السلام عورتوں کے گھیرے سے گھبرائے اور اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلا دیے کہ اے میرے رب بے حیائی کی زندگی سے جیل بہتر ہے۔ان عورتوں کی دعوت کے مقابلے میں مجھے قید خانہ منظور ہے۔

سوال 2: جو انسان کسی کی دعوت گناہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے اس کا کیا اجر ہے؟

جواب:(1) سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کا سایہ عطا فرمائے گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسن و جمال اور جاہ و منصب والی ہو اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں ۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''سات طرح کے لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں پناہ دے گا۔(ان میں)ایک وہ شخص جسے کسی صاحب حیثیت اور صاحب جمال عورت نے دعوت گناہ دی تو اس نے کہہ دیا: میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔''(صحیح بخاری:660،صحیح مسلم:1031)**(2)** سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جو شخص مجھے اپنے دو جبڑوں کے درمیان چیز (زبان) کی اور اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان چیز (شرم گاہ) کی ضمانت دے دے تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''(صحیح بخاری:6474)**(3)** لقمان حکیم نے کہا: ورع کی حقیقت پاک دامنی ہے۔(نضرة النعیم:2886)**(4)** نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے:**اَللّٰهُمَّ قِنِیْ شَرَّ نَفْسِیْ وَاعْزِمْ لِیْ عَلٰٓی اَرْشَدِ اَمْرِیْ** ''اے اللہ! مجھے میرے نفس کے شر سے بچا لے اور درست کام پر مجھے مضبوطی عطا فرما۔(حاکم:510/1)**(5)** **اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ** ''اے اللہ! اپنے حلال کے ساتھ میری کفایت فرما اور مجھے اپنے فضل سے اپنے حرام سے بچا کر اپنے سوا ہر کسی سے بے نیاز کر دے۔''(ترمذی)**(6)** **اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ** ''اے اللہ! میرے دل میں میری ہدایت ڈال دیجیے اور میرے نفس کی برائی سے بچا لیجیے۔''(احمد:444/3)

سوال 3: ﴿ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴾''اور اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے نہ ہٹایا تو میں ان کی جانب مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ ﴾''اور اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے نہ ہٹایا تو میں ان کی جانب مائل ہو جاؤں گا''یوسف علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا کہ اے میرے رب! اگر ان عورتوں کے شرم ناک ارادوں اور مکر و فریب سے مجھے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو کر ان کے جال میں پھنس جاؤں گا کیونکہ میں کمزور بندہ ہوں۔**(2)** ﴿ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴾''اور جاہلوں میں

سے ہوجاؤں گا'' کیونکہ یہ سب جہالت کا کام ہے، کیونکہ جاہل ختم ہوجانے والی قلیل لذت کو جنت میں حاصل ہونے والی دائمی لذت اور انواع واقسام کی شہوات پر ترجیح دیتا ہے اور جو دنیا کی اس لذت کو جنت کی لذتوں پر ترجیح دیتا ہے اس سے بڑھ کر کون جاہل ہے؟ علم وعقل ہمیشہ بڑی مصلحت اور دائمی لذت کو مقدم رکھنے اور ان امور کو ترجیح دینے کی دعوت دیتے ہیں جن کا انجام قابل ستائش ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1253/2)

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (34) ﴾

''چنانچہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی سو ان کا فریب اس سے دور کردیا یقیناً وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (34)

سوال 1: ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ﴾ ''چنانچہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی سو ان کا فریب اس سے دور کردیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ ﴾ ''چنانچہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی'' اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرما لی۔ (2) ﴿ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ﴾ ''سو ان کا فریب اس سے دور کردیا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو عورتوں کے جال اور گناہوں سے بچالیا۔ انہیں کمال درجے کی پاکیزگی عطا کی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام پاک دامنی اور روحانیت کے کمال پر تھے جیسے وہ حسن وجمال میں کمال پر تھے۔

سوال 2: ﴿ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ ''یقیناً وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ ﴾ ''یقیناً وہ سب کچھ سننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والے کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا سن لی اور قبول کرلی اور انہیں عورتوں کے شر سے بچالیا۔ (2) ﴿ الْعَلِيمُ ﴾ ''سب کچھ جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نیتوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ نیک نیتی اور فطری کمزوریوں کو جاننے والا رب مدد کے لیے پکارنے والے کی، دعا کرنے والے کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے انہیں آزمائش سے نجات دلائی۔

﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ (35) ﴾

''پھر اس کے بعد کہ انہوں نے کئی نشانیاں دیکھ لیں یہی ظاہر ہوا کہ ایک عرصے تک وہ اسے لازماً قید کردیں۔'' (35)

سوال 1: ﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴾ ''پھر اس کے بعد کہ انہوں نے کئی نشانیاں دیکھ لیں یہی ظاہر ہوا کہ ایک عرصے تک وہ اسے لازماً قید کردیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ ﴾''پھر یہی ظاہر ہوا''لوگوں پر اور عزیز مصر پر سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی ظاہر ہوگئی۔(2)﴿ مِّنۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ ﴾''اس کے بعد کہ انہوں نے کئی نشانیاں دیکھ لیں''یعنی یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی واضح نشانیاں دیکھنے کے بعد اور وہ قمیص تھی جس کا دامن پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔(ایسر التفاسیر:677)(2)﴿ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴾''ایک عرصے تک وہ اسے لازماً قید کردیں''تاکہ اس طرح خبر منقطع ہوجائے اور لوگ اس واقعہ کو بھول جائیں، کیونکہ جب کوئی خبر شائع ہوجاتی ہے تو اس کا ذکر عام ہونے لگتا ہے اور خود اسباب کے باعث یہ خبر پھیلتی چلی جاتی ہے۔جب اسباب معدوم ہوجاتے ہیں اس واقعہ کو بھلا دیا جاتا ہے۔چنانچہ انہوں نے اس میں یہی مصلحت دیکھی تو یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں ڈال دیا۔(تفسیر سعدی:1253/2)(3)اس واقعہ سے جہاں مردوں کی اپنی بیگمات کے سامنے بےبسی پر روشنی پڑتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی انصاف کرنے والی عدالتیں بھی''جس کی لاٹھی اس کی بھینس''کے اصول پر اپنے فیصلے کیا کرتی تھیں اور نامعلوم مدت اس لیے تھی کہ نہ تو کوئی فرد جرم لگ سکتی تھی اور نہ ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا تھا کہ اس بے گناہی کی سزا کتنی مدت ہوسکتی ہے،اور غالباً اس میں یہ مصلحت سمجھی گئی کہ جب تک لوگ اور بالخصوص عورتیں یہ بھول نہ جائیں یوسف کو قید میں رکھا دیا جائے۔(تیسیر القرآن:392)

سوال 2: سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی واضح ہوجانے کے باوجود ان کو قید کیوں کیا گیا؟

جواب:(1)اونچے طبقے کے گھرانوں کی عزت کا تحفظ اس طرح ہوتا ہے کہ بے گناہوں کو قید کردیا جائے۔(2)عزیز مصر اپنی بیوی کو سیدنا یوسف علیہ السلام سے دور رکھنا چاہتا تھا بیوی پر تو بس نہیں چلتا تھا غلام پر بس چلا تو اسے قید کروا دیا۔

رکوع نمبر:15

﴿ وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ(36) ﴾

''اور اس کے ساتھ قید خانے میں دو غلام بھی داخل ہوئے،ان میں سے ایک نے کہا:''میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں کچھ شراب کشید کر رہا ہوں۔''اور دوسرے نے کہا:''میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں جن سے پرندے کھا رہے ہیں،ہمیں اس کی تعبیر بتائیے،بلاشبہ ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے دیکھتے ہیں۔''(36)

سوال 1:﴿ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ﴾''اور اس کے ساتھ قید خانے میں دو غلام بھی داخل ہوئے''کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا یوسف علیہ السلام جس دن قید خانے میں داخل ہوئے اسی دن دو اور افراد بھی جیل میں آئے۔ان میں سے ایک تو شاہی باورچی تھا اور دوسرا شاہی ساقی۔ان پر بادشاہ کو زہر دینے کا الزام تھا۔

سوال2: ﴿ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ۚ وَ قَالَ الۡاٰخَرُ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّیۡرُ مِنۡهُ ﴾ ''ان میں سے ایک نے کہا: ''میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں کچھ شراب کشید رہا ہوں'' اور دوسرے نے کہا: ''میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں جن سے پرندے کھا رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ﴾ ''ان میں سے ایک نے کہا: ''میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں کچھ شراب کشید رہا ہوں'' ان دونوں میں سے ایک نے خواب دیکھا کہ میں انگوروں کا شیرہ نچوڑ رہا ہوں۔اہل عمان انگور کو خمر ہی کے نام سے پکارتے تھے۔پورا خواب یہ تھا کہ میں نے انگور کا درخت لگایا ہے،اس میں خوشے لگے ہوئے ہیں۔میں درخت سے انگور کے خوشے توڑ کر اس سے رس نچوڑ رہا ہوں تا کہ بادشاہ کو پلاؤں۔(مختصر ابن کثیر:878/1)(2)﴿ وَ قَالَ الۡاٰخَرُ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا ﴾ ''اور دوسرے نے کہا: ''میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں'' دوسرے نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں۔(3)﴿ تَاۡكُلُ الطَّیۡرُ مِنۡهُ ﴾ ''جن سے پرندے کھا رہے ہیں''یعنی روٹیوں کو کھانے کے لیے پرندے آرہے ہیں اور اس میں سے کھا رہے ہیں۔

سوال3: ﴿ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴾ ''ہمیں اس کی تعبیر بتایئے،بلاشبہ ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے دیکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ ﴾ ''ہمیں اس کی تعبیر بتایئے'' دونوں قیدی سیدنا یوسف علیہ السلام کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئے۔قید خانے میں ان کی عبادت،سچائی اور امانت کی بڑی شہرت تھی۔دونوں قیدی بھی سیدنا یوسف علیہ السلام سے بے حد محبت کرتے تھے،انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھی کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟(2)﴿ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۞ ﴾ ''بلاشبہ ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے دیکھتے ہیں'' دونوں قیدیوں نے اعتراف کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتے ہیں ہم پر بھی احسان کریں۔

﴿ قَالَ لَا یَاۡتِیۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ ؕ اِنِّیۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ (37) ﴾

''یوسف نے کہا: ''تم دونوں کا کھانا جو تمہیں یہاں ملتا ہے تمہارے پاس وہ نہیں آئے گا مگر اس سے پہلے ہی میں اس کی تعبیر تمہیں بتا دوں گا یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے،یقیناً میں نے ان کا طریقہ چھوڑ دیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں۔''(37)

سوال: ﴿ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ﴾ ''یوسف نے کہا: ''تم دونوں کا کھانا جوتمہیں یہاں ملتا ہےتمہارے پاس وہ نہیں آئے گا مگراس سے پہلے ہی میں اس کی تعبیر تمہیں بتادوں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ ﴾ یوسف علیہ السلام نے ان کے مطالبے کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ﴾ ''تم دونوں کا کھانا جوتمہیں یہاں ملتا ہے تمہارے پاس وہ نہیں آئے گا مگر اس سے پہلے ہی میں اس کی تعبیر تمہیں بتادوں گا'' یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دوستوں سے کہا کہ میں تمہارے خوابوں کی تعبیر تمہیں ضرور بتاؤں گا مجھے اس کا علم ہے۔تمہارا کھانا آنے سے پہلے تمہیں تمہارے خواب کی تعبیر بتادوں گا۔ (3) یوسف علیہ السلام اس موقع پر انہیں ایمان کی دعوت دینا چاہتے تھے اوراس کے لیے کھانے کا وقت جوانتظار کا وقت تھا زیادہ مفید تھا اس لیے کہ وہ ان دونوں قیدیوں کے لیے بھی زیادہ قابل قبول تھا۔

سوال2: ﴿ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴾ ''یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، یقیناً میں نے ان کا طریقہ چھوڑ دیا ہے جواللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اوروہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ذَٰلِكُمَا ﴾ یعنی میں تم دونوں کو جوتعبیر بتاؤں گا۔ (2) ﴿ مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ﴾ ''اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے'' یہ علم تعبیر مجھے میرے رب نے سکھایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے۔ (3) ﴿ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴾ ''یقیناً میں نے ان کا طریقہ چھوڑ دیا ہے جواللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اوروہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں'' میرا راستہ ان لوگوں سے الگ ہے جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، نہ آخرت پر یقین، نہ آخرت کے ثواب کی امید رکھتے ہیں نہ عذاب کا خوف انہیں برائی سے روکتا ہے۔

﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ (38) ﴾

''اورمیں نے اپنے آباؤاجداد یعنی ابراہیم اوراسحٰق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے، ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، یہ ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے ہے لیکن اکثر لوگ شکرادا نہیں کرتے۔'' (38)

سوال1: ﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ﴾ ''اورمیں نے اپنے آباؤاجداد یعنی ابراہیم اوراسحٰق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ** ﴾''اور میں نے دین کی پیروی کی ہے''یعنی میں دین کی پیروی کرتا ہوں۔(ایسرالتفاسیر:677)(2)﴿ **اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ** ﴾''اپنے آباؤاجداد یعنی ابراہیم اوراسحق اور یعقوب''یعنی میں اپنے باپ دادا جو اللہ تعالیٰ کے نبی تھے،ان کے راستے پر چل رہا ہوں۔(3)میں کفراورشرک کے راستے سے الگ ہوں۔(4)میں نے کافروں کے دین کو چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق نہیں کرتے،نہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ زمین وآسمان کا خالق ہے اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم،اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے دین کی پیروی کی ہے جو توحید خالص کی طرف دعوت دیتے تھے۔(تفسیر منیر:599/6)اللہ تعالیٰ کی جانب سے سچے نبیوں پر ہمیشہ رحمت کی بارش رہے۔(آمین)

سوال2:﴿ **مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ** ﴾''ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **مَا كَانَ لَنَآ** ﴾''ہمارا یہ کام نہیں''ہمارے لیے درست نہیں،ہمارے لائق نہیں۔(2)﴿ **اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ** ﴾''کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں''کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قلیل اور حقیر یا عظیم چیز کو شریک ٹھہرائیں۔(3)یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں اور اسی کے لیے دین اور عبودیت کو خالص کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1255/2)(4)ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم اپنے معبود کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔جس نے خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

سوال3:﴿ **ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ** ﴾''یہ ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے ہے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** ﴾''یہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے ہے''یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے۔(2)﴿ **عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ** ﴾''ہم پر اور تمام لوگوں پر''یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے سینوں میں توحید اتاری اور ہمارے دل اس کے انوار سے جگمگائے،اسی کی ہم پر وحی بھیجی گئی اور اسی دولت کو لوٹنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور ہم اس نعمت عظمیٰ کو دے کر لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔(مختصر ابن کثیر:879/1)(3)اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جو انبیاء کے راستے پر چلتے ہیں اور گمراہوں سے بے زار رہتے ہیں۔رب العزت انہیں ہدایت کے راستے پر چلاتا ہے اور انہیں ایسی باتیں سکھاتا ہے جن کو وہ پہلے نہیں جانتے۔(4)سیدنا یوسف علیہ السلام نے نوجوانوں میں یہ بات محسوس کرلی تھی کہ وہ ان کی عزت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ جو بات بتائیں گے وہ حق ہے اس لیے یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اگر میں شرک سے بچ گیا اور میں اس مقام پر پہنچ گیا آپ بھی اسی راستے پر چلو۔

سوال4:﴿ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ** ﴾''لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)یعنی اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا نہیں کرتے۔(2)اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اس کی جانب سے آنے والی

راہ نمائی، اس کی ہدایت ہے لیکن اکثر لوگ نبیوں کو، دین حق کو پہچاننے سے محروم رہتے ہیں۔(3) اکثر لوگ رب العزت کی دی ہوئی تعلیم کو ٹھکرا کر شیطان کی تعلیم کو اپنا لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا؟ جہنم میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے۔(ابراہیم:28,29)

﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (39) ﴾

''اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! کیا جدا جدا رب بہتر ہیں یا اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہی ہے، نہایت زبردست ہے؟''(39)

سوال: ﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ ''اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! کیا جدا جدا رب بہتر ہیں یا اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہی ہے، نہایت زبردست ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ﴾ ''اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو!'' اور وہ دونوں نوجوان تھے جن میں سے ایک شاہی باورچی اور دوسرا شاہی ساقی تھا۔(ایسر التفاسیر:678) (2) ﴿ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ ﴾ ''کیا جدا جدا رب بہتر ہیں'' سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے قید خانے کے ساتھیوں کو توحید کی دعوت دی کہ بہت سارے معبود لکڑی اور پتھر کے بت، فرشتے اور مردہ ہستیاں اور مختلف قسم کے معبود جو کمزور ہیں، نفع نہیں دے سکتے، نقصان سے نہیں بچا سکتے، نہ کسی کو عزت عطا کر سکتے ہیں نہ ذلت سے بچا سکتے ہیں، نہ عطا کر سکتے ہیں، نہ محرومی سے بچا سکتے ہیں، کیا یہ معبود بہتر ہیں۔(3) ﴿ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ ''یا اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہی ہے، نہایت زبردست ہے؟'' یا اللہ تعالیٰ جو ساری صفات کمال کا مالک ہے۔ جو اپنی ذات، صفات اور افعال میں ایک ہے۔(4) ﴿ الْوَاحِدُ ﴾ جس کا کوئی شریک نہیں۔(5) ﴿ الْقَهَّارُ ﴾ ''نہایت زبردست ہے'' جس کے غلبے، جس کے تسلط، قہر، اقتدار کے آگے سب عاجز ہیں۔ جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود نہ چاہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ پر میں نے بھروسہ کیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، کوئی جان دار ایسا نہیں مگر اس کی پیشانی کے بالوں کو وہ پکڑنے والا ہے، یقیناً میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔(ھود:56) (6) عبادت تو اس اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہئے جو اکیلا ہے، سچا معبود ہے، جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، جس کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا، جس کے سوا کسی کے پاس کوئی کمال نہیں۔

﴿ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (40) ﴾

''تم اللہ تعالیٰ کے سوا محض چند ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی

دلیل نازل نہیں کی۔حکم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔''(40)

سوال 1: ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ''تم اللہ تعالیٰ کے سوا محض چند ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ﴾ ''تم اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں عبادت کرتے'' یعنی اللہ واحد وقہار کے سوا تمہاری قوم جن جن کی پرستش کر رہی ہے۔(2)﴿اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ ''مگر چند ناموں کی جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں'' یعنی تم نے انہیں الٰہ کا، معبود کا نام دے دیا ہے ورنہ حقیقت میں وہ الٰہ نہیں بت ہیں، نہ ان میں الوہیت کی کوئی صفت ہے، نہ ان کی کوئی حقیقت ہے۔(3)﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی'' بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کی ممانعت نازل کر کے ان کا باطل ہونا واضح کیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان معبودان باطل کے حق میں کوئی دلیل نازل نہیں کی اس لئے کوئی طریقہ، کوئی وسیلہ اور کوئی دلیل ایسی نہیں جس سے ان کا استحقاق عبودیت میں ثابت ہوتا ہو۔(تفسیر سعدی:1256/2)(4)اللہ تعالیٰ نے مخلوق پرستی کی کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی، یہ صرف ناموں کی عبادت کرتے ہیں۔

سوال 2: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ ''حکم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''حکم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم پوری کائنات میں جاری ہے۔تصرف کا اختیار اسی کے پاس ہے۔اس کی حکومت سب پر قائم ہے۔وہ اکیلا حکم دیتا اور روکتا ہے۔اس کے ارداے کے ساتھ ہر حرکت وجود میں آتی ہے اور اس کے ارادے کے ساتھ ہر حرکت رک جاتی ہے۔وہی ہے جس نے شریعتیں بھیجیں اور احکام مقرر فرمائے۔

سوال 3: ﴿اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ ''اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ ''اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے صرف اسی کی عبادت کرو۔(2)یعنی اس نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے کہ اس کی توحید میں کسی کو شریک نہ کرو۔(سمرقندی:200/2)(3)﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ ''یہی سیدھا دین ہے'' توحید ہی سچا اور سیدھا دین ہے۔توحید ہی مضبوط دین ہے۔دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص پر ہے جو وحدہ لاشریک لہ ہے۔(4)اللہ تعالیٰ نے توحید ہی کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

سوال 4: ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اطاعت کرنے والوں کا کیا ثواب ہے اور

نافرمانوں کے لیے کیا عذاب ہے۔(طبری:94/12)(2)اکثر لوگ سیدھے راستے کونہیں جانتے جس کی وجہ سے شرک میں پھنس جاتے ہیں۔(3)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَآ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۰۳ ﴾اورآپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں ہوتے۔(یوسف:103)(4)سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کجاوے کی درمیانی لکڑی کے علاوہ کوئی اور چیز حائل نہ تھی۔اتنے میں آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:اے معاذ بن جبل!میں نے عرض کیا:اے اللہ کے رسول ﷺ!میں حاضر ہوں۔پھر تھوڑی دیر چلے پھرفرمایا: اے معاذ بن جبل!میں نے عرض کیا:اے اللہ کے رسول ﷺ!میں حاضر ہوں۔پھر تھوڑی دیر چلے پھرفرمایا:اے معاذ بن جبل!میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں حاضر ہوں۔رسول ﷺ نے فرمایا:کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟میں نے عرض کیا:اللہ تعالیٰ اوراس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اوراس کے ساتھ کسی کوشریک نہ کریں۔(اس کے بعد)پھر آپ ﷺ تھوڑی دیر چلتے رہے پھرفرمایا:اے معاذ بن جبل!کیا تو جانتا ہے کہ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟بشرطیکہ وہ ایسا کریں(یعنی شریک نہ کریں)میں نے عرض کیا:اللہ اوراس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:''بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کوعذاب نہ دے۔''(مسلم:143)

﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسۡقِىۡ رَبَّهٗ خَمۡرًا‌ ۚ وَاَمَّا الۡاٰخَرُ فَيُصۡلَبُ فَتَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡ رَّاۡسِهٖ‌ ؕ قُضِىَ الۡاَمۡرُ الَّذِىۡ فِيۡهِ تَسۡتَفۡتِيٰنِ(41) ﴾

''اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو!تم دونوں میں سے جو پہلا ہے تو وہ اپنے آقا کوشراب پلائے گااور جو دوسرا ہے سو وہ سولی دیا جائے گا،پس پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے،جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ ہوگیا۔''(41)

سوال1: ﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسۡقِىۡ رَبَّهٗ خَمۡرًا ﴾''اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو!تم دونوں میں سے جو پہلا ہے تو وہ اپنے آقا کوشراب پلائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے جیل کے ساتھیوں کوتوحیداوراللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہونے کی دعوت دی پھرخوابوں کی تعبیر بتانی شروع کی۔(2)''اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو!تم دونوں میں سے جو پہلا ہے تو وہ اپنے آقا کوشراب پلائے گا''کہ جس نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں وہ قید سے آزاد ہوجائے گااوراپنے آقا کوشراب پلائے گا۔

سوال2: ﴿ وَاَمَّا الۡاٰخَرُ فَيُصۡلَبُ فَتَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡ رَّاۡسِهٖ ﴾''اور جو دوسرا ہے سو وہ سولی دیا جائے گا،پس پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)سیدنا یوسف علیہ السلام نے دوسرے کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا۔(2)''اور جو دوسرا ہے سو وہ سولی دیا جائے گا، پس پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے'' جس نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ روٹیاں اٹھائے ہوئے ہے اور پرندے روٹیاں کھا رہے ہیں۔اس کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے گا اور پرندے اسے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

سوال3: ﴿ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ﴾ ''جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ ہو گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)سیدنا یوسف علیہ السلام نے خوابوں کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:''جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ ہو گیا''یعنی اب جو تعبیر بتائی ہے وہ پوری ہو کر رہے گی اس کا فیصلہ ہو چکا۔(2)رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خواب معلق رہتا ہے جب تک اس کی تعبیر نہ بیان کی جائے پھر جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ ہو کر رہتی ہے۔(مسند احمد)

﴿ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ(42) ﴾

''یوسف نے اس شخص سے کہا جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے:''اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا۔''تو شیطان نے اسے اپنے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا تو وہ کئی سال قید خانے میں رہا۔''(42)

سوال1: ﴿ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ ﴾ ''یوسف نے اس شخص سے کہا جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے:''اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَقَالَ ﴾ ''یوسف نے کہا'' سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔(2)﴿ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا ﴾ ''اس شخص سے جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے''یعنی جس کے متعلق یوسف علیہ السلام کا یہ گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا یعنی وہ شخص جس نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ اپنے آقا کو شراب پلا رہا ہے۔(3)﴿ اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ ﴾ ''اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا'' سیدنا یوسف علیہ السلام نے دوسرے شخص سے الگ ہو کر کہا کہ بادشاہ سے میرا واقعہ بیان کرنا ہو سکتا ہے کہ اس کا دل نرم پڑ جائے اور مجھے قید خانے سے نکال دے۔

سوال2: ﴿ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴾ ''تو شیطان نے اسے اپنے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا تو وہ کئی سال قید خانے میں رہا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ ﴾ ''تو شیطان نے اسے اپنے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا''یعنی قید سے نجات پانے والے

اس شخص کوشیطان نے اللہ تعالیٰ کا ذکر فراموش کرادیا اور نیز ہر اس چیز کو فراموش کرادیا جو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا باعث تھی اور انہی چیزوں میں یوسف علیہ السلام کا تذکرہ بھی تھا جو اس چیز کے مستحق تھے کہ بہترین اور کامل ترین بھلائی کے ساتھ ان کو بدلہ دیا جاتا۔ یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کا حکم پورا ہو۔(تفسیر سعدی:1258/2)(2)﴿ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴾''تو وہ کئی سال قید خانے میں رہا''یعنی بھلائے گئے مظلوم۔(تفسیر مراغی:411/9)(3)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یوسف علیہ السلام یہ کلمہ نہ کہتے تو جیل خانے میں اتنی مدت نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے اپنی پریشانی کا ازالہ چاہا۔(جامع البیان:236/12)(4)سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''مجھے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے، کے صبر اور کشادہ دلی پر بڑا تعجب ہے، جب ان کی طرف خواب کی تعبیر بیان کرنے کا پیغام بھیجا گیا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو تعبیر بیان کرنے سے پہلے (جیل سے) باہر نکل آتا۔ پس ان کے صبر اور فیاضی پر بڑا تعجب ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے، ان کے پاس آدمی آیا تا کہ وہ باہر نکل آئیں لیکن وہ اس وقت تک نہ نکلے، جب تک ان پر اپنے عذر کی وضاحت نہیں کردی۔ اگر میں ہوتا تو دروازے کی طرف لپک پڑتا۔ اگر (اپنے آقا کے پاس میرا تذکرہ کرنا)(سورۂ یوسف:42) والی بات نہ ہوتی تو وہ جیل میں نہ ٹھہرتے، جب کہ وہ غیر اللہ سے پریشانی کا ازالہ چاہ رہے تھے۔''
(صحیحہ:1945)

رکوع نمبر:16

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ(43) ﴾

''اور بادشاہ نے کہا:''بلاشبہ میں (خواب) دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں، اے سردارو! مجھے تم میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو۔''(43)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ ﴾''اور بادشاہ نے کہا:''بلاشبہ میں (خواب) دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ﴾''اور بادشاہ نے کہا''یعنی مصر کے بادشاہ نے کہا۔(2)﴿ إِنِّي أَرَىٰ ﴾''بلاشبہ میں (خواب) دیکھتا ہوں'' یعنی میں خواب میں دیکھتا ہوں۔(3)﴿ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ ﴾''کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی کھا رہی ہیں''یعنی عجیب بات ہے کہ جن کی قوت ختم ہو رہی ہے، جو لاغر اور کمزور ہیں وہ ان کو کھا رہی ہیں جو مضبوط اور طاقت ور ہیں۔(4)﴿ وَسَبْعَ

﴿ سُنۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ﴾ ''اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں''،یعنی عجیب معاملہ ہے کہ سات سوکھی بالیاں ہیں جو کمزور ہیں،جن کی قوت ختم ہو چکی ہے وہ سات ہری بالیوں کو جو مضبوط ہیں،جن میں قوت ہے ان کو کھا رہی ہیں۔

سوال 2: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَاُ اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡ رُءۡیَایَ اِنۡ کُنۡتُمۡ لِلرُّءۡیَا تَعۡبُرُوۡنَ ﴾ ''اے سردارو! مجھے تم میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَاُ ﴾ ''اے سردارو!'' بادشاہ نے بڑے بڑے سرداروں اور درباریوں کو جو اس کی سلطنت کے اہم افراد تھے،ان کو مخاطب کر کے کہا۔(2) ﴿ اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡ رُءۡیَایَ ﴾ ''مجھے تم میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ''،یعنی مجھے اس عجیب وغریب خواب کی تعبیر بتاؤ اس کی کیا تاویل ہوسکتی ہے؟ (3) ﴿ اِنۡ کُنۡتُمۡ لِلرُّءۡیَا تَعۡبُرُوۡنَ ﴾ ''اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو''اگر تم یہ بتا سکتے ہو کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہوسکتی ہے؟ (4) جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے نکالنا چاہا تو بادشاہ کو ایک عجیب وغریب خواب دکھایا۔جس کی تعبیر تمام قوم کو متاثر کرتی تھی تا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام اس خواب کی تعبیر بتائیں اور یوں ان کا علم وفضل ظاہر ہو اور دین ودنیا میں ان کو رفعت حاصل ہو۔اس میں تقدیر کی مناسبت یہ ہے کہ بادشاہ نے جو رعایا کے تمام امور کا ذمہ دار ہوتا ہے،یہ خواب دیکھا،کیونکہ قوم کے مصالح کا تعلق بادشاہ سے ہوتا ہے۔اس بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جس نے بادشاہ کو خوف زدہ کر دیا۔اس نے اپنی قوم کے اہل علم اور اصحاب الرائے کو اکٹھا کیا اور ان سے مشورہ کیا۔(تفسیر سعدی:1259/2) (5) بادشاہ کا خواب سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے رحمت اور خوش خبری بن گیا۔(تفسیر منیر:615/6) (6) اللہ تعالیٰ نے اس مختصر خواب کو عزت کے ساتھ اپنے نبی کی رہائی کا سبب بنا دیا۔(مختصر ابن کثیر:882/1)

﴿ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَ مَا نَحۡنُ بِتَاۡوِیۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِیۡنَ (44) ﴾

''انہوں نے کہا:''پریشان باتیں ہیں خوابوں کی اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر بالکل جاننے والے نہیں۔''(44)

سوال 1: ﴿ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِیۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِیۡنَ ﴾ ''انہوں نے کہا:''پریشان باتیں ہیں خوابوں کی اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر بالکل جاننے والے نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ﴾ ''انہوں نے کہا:''پریشان باتیں ہیں خوابوں کی'' ﴿ اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ﴾ پریشان خواب جس کی کچھ تعبیر نہ دی جا سکے اصل میں اضغاث ضغث کی جمع ہے یعنی ایک مٹھی بھر گھاس تنکے وغیرہ اس سے ہے (سورہ ص میں) ﴿ خُذۡ بِیَدِکَ ضِغۡثًا ﴾ یعنی اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لے اور ﴿ اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ﴾ میں ضغث کے یہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ پریشان خواب مراد ہے۔(بخاری کتاب التفسیر) (2) ابو عبیدہ نے کہا: اضغاث سے مراد جس خواب کی کوئی تعبیر نہ ہو۔(قرطبی:139/5) (3) شاہ مصر نے اپنی سلطنت کے کاہنوں،نجومیوں اور بڑے بڑے لوگوں سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ پریشان خواب ہیں جس کی کوئی تعبیر

نہیں ۔ یہ ان کی اس خواب کے بارے میں آخری رائے تھی ۔(4)﴿ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴾''اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر بالکل جاننے والے نہیں''،یعنی ہم تو صرف خوابوں کی تعبیر بتاتے ہیں۔رہے پریشان خواب جو شیطانی وسوسوں اور نفس کی خواہشات پر مبنی ہوتے ہیں تو ہم ان کی تفسیر نہیں جانتے ۔پس انہوں نے جہالت،حتمی رائے کہ یہ پریشان خواب ہیں اور خود پسندی کو ایک جگہ جمع کر دیا،کیونکہ انہوں نے یہ نہ کہا کہ ہم اس خواب کی تعبیر نہیں جانتے اور یہ ایسا رویہ ہے جو اہل دین اور عقل مندوں کو زیب نہیں دیتا،نیز یہ سیدنا یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی ہے،کیونکہ اگر شروع ہی سے،بادشاہ کے اعیان سلطنت اور ان کے علماء کے سامنے یہ خواب پیش ہونے اور ان کے اس کی تعبیر بتانے سے عاجز ہوئے بغیر،جناب یوسف علیہ السلام نے اس خواب بتائی ہوتی تو ان کی تعبیر اتنی وقعت نہ ہوتی ۔مگر جب بادشاہ نے یہ خواب علماء اور اعیان سلطنت کے سامنے پیش کیا اور وہ اس کی تعبیر بتانے سے عاجز آ گئے اور بادشاہ کو خواب نے بہت زیادہ فکر میں ڈال دیا تھا،پس جب سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر بتا دی تو ان کے ہاں سیدنا یوسف علیہ السلام کی قدر اور وقعت بہت بڑھ گئی۔یہ اس واقعہ کی نظیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر علم کے ذریعے سے جناب آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے سوال کیا،وہ جواب نہ دے سکے،پھر سیدنا آدم علیہ السلام سے سوال کیا۔انہوں نے فرشتوں کو ہر چیز کا نام بتا دیا اور اس طرح فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت ثابت ہوگئی۔اسی طرح قیامت کے روز،اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بہترین ہستی،جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ظاہر ہوگی،اللہ تعالیٰ مخلوق کو الہام کرے گا اور تمام مخلوق جناب آدم علیہ السلام،پھر جناب نوح علیہ السلام،پھر جناب ابراہیم علیہ السلام، پھر جناب موسیٰ علیہ السلام اور پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام سے شفاعت کی درخواست کرے گی مگر وہ معذرت کر دیں گے،پھر تمام مخلوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی استدعا کرے گی جسے قبول کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے ''ہاں میں شفاعت کروں گا،میں ہی اس کا مستحق ہوں''اور یوں آپ تمام مخلوق کی شفاعت کریں گے اور اس طرح وہ اس مقام محمود پر فائز ہوں گے جس پر اولین و آخرین رشک کریں گے۔پاک ہے وہ ذات جس کا لطف و کرم مخفی ہے،اور وہ اپنے اولیاء و اصفیاء اور اپنے خاص بندوں کو نہایت دقیق طریقے سے اپنے فضل و احسان سے نوازتی ہے۔(تفسیر سعدی:1260)

﴿ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ (45) ﴾

''اور ان دو میں سے جس نے رہائی پائی تھی اور اسے ایک مدت بعد یاد آیا،اس نے کہا:''میں تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا سو مجھے بھیج دو۔''(45)

سوال:﴿ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴾''اور ان دو میں سے جس نے رہائی پائی تھی اور اسے ایک مدت بعد یاد آیا،اس نے کہا:''میں تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا سو مجھے بھیج دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا ﴾''اور ان دو میں سے جس نے رہائی پائی تھی''شاہ مصر نے جب درباریوں سے خواب کی تعبیر پوچھی تو

ان میں سے ایک قیدخانے کا قیدی بھی تھا جس نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ شراب نچوڑ رہا ہے۔(2)﴿ وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ ﴾ ''اور اسے ایک مدت بعد یاد آیا'' اس شخص کو خواب یاد آ گیا اور یہ بھی کہ انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھی تھی اور انہوں نے جو تعبیر بتائی تھی عملاً وہ وقوع پذیر ہو چکی تھی۔(3) اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ وہ آقا کے پاس ان کا تذکرہ کرے۔(4) یہ مدت کئی سال کی تھی اور یہ تقریباً سات سال کا عرصہ تھا۔(ایسر التفاسیر:681,680)(5)﴿ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴾ ''میں تم کو اس کی تعبیر بتادوں گا سو مجھے بھیج دو'' اس شخص نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجنے کا تقاضا کیا تا کہ وہ تعبیر پوچھ سکے اور انہوں نے اسے بھیج دیا۔

﴿ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ (46) ﴾

''یوسف! اے نہایت سچے! ہمیں خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی (گائیں) کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں تا کہ میں ان کی طرف واپس جاؤں تا کہ وہ جان لیں۔''(46)

سوال: ﴿ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''یوسف! اے نہایت سچے! ہمیں خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی (گائیں) کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں تا کہ میں ان کی طرف واپس جاؤں تا کہ وہ جان لیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اب قیدخانے کا ساتھی یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا۔(2)﴿ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ ﴾ ''یوسف! اے نہایت سچے!'' یعنی اے یوسف اے علم میں بہت سچے! اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو صدیق ان کی صداقت کے اعلیٰ مرتبہ کی وجہ سے کہا تھا اور یہ صدق کا انتہائی مقام ہے جیسے سیدنا ابوبکر کو نبی ﷺ نے صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب دیا۔ اور اسی وجہ سے رب العزت نے مومنوں کا نام بھی صدیق رکھا۔﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی لوگ بہت سچے ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے پاس گواہی دینے والے ہیں۔(الحدید:19)(3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچائی نیکی کی طرف راہ نمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو سچا لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ برائی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اور برائی جہنم میں لے جاتی ہے اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو جھوٹا لکھا جاتا ہے۔(مسلم:2607، بخاری:6094)(4) یعنی اپنے اقوال و افعال میں بہت ہی سچے شخص۔(تفسیر سعدی:2/1260،1261)(5)﴿ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ

﴿ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ ’’ہمیں خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی (گائیں) کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں تاکہ میں ان کی طرف واپس جاؤں تاکہ وہ جان لیں‘‘ وہ شخص بادشاہ کا خواب بتاتا ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام تعبیر دیتے ہیں وہ اس کی بھول پر اسے کچھ نہیں کہتے، نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ رہائی کے بعد تعبیر بتادوں گا۔(6) کیونکہ اس خواب کی تعبیر بتانے کے ساتھ ساتھ جناب یوسف علیہ السلام نے اس طرف بھی اشارہ کردیا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔شادابی کے سالوں کے دوران قحط سالی کا مقابلہ کرنے کے لیے انہیں کیسے تیاری کرنی چاہیے اور کیا کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں، چنانچہ فرمایا:﴿ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ ﴾ کیونکہ اس سے غلہ زیادہ عرصہ تک باقی رہ سکتا ہے اور تلف ہونے کا امکان بعیدتر ہوتا ہے۔﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴾ شادابی کے ان دنوں میں اپنی خوراک کا اس طرح انتظام کرو کہ کم سے کم خوراک استعمال کرو، تاکہ زیادہ سے زیادہ خوراک کا ذخیرہ کرسکو، جس کا فائدہ اور وقعت زیادہ ہوگی۔(تفسیر سعدی:1261/2)(7) خواب کی تعبیر یہ تھی کہ سات موٹی تازی گایوں اور سات ہری بالیوں سے سات آئندہ سالوں کی سرسبزی وشادابی کی طرف اشارہ ہے اور سات لاغر اور کمزور گایوں اور سات سوکھی بالیوں سے شادابی کے بعد آنے والی خشک سالی اور قحط کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے۔اس تعبیر کا پہلو غالبًا یہ ہے۔۔اللہ اعلم۔۔ چونکہ کھیتی کا دارومدار شادابی اور خشک سالی پر ہے، جب شادابی آتی ہے تو کھیتوں اور فصلوں کو طاقت ملتی ہے، وہ خوش نما نظر آتی ہیں، غلے کی بہتات ہوتی ہے، قحط سالی میں کھیتوں کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے۔گیہوں کی بالیاں سب سے اچھی اور سب سے بڑی خوراک لئے ہوئے ہوتی ہیں، وجود مناسبت کی بنا پر سیدنا یوسف علیہ السلام نے تعبیر بیان کی۔(تفسیر سعدی:1261/2)

﴿ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ (47) ﴾

’’اس نے کہا:’’تم سات سال تک لگاتار کھیتی باڑی کروگے تو جو فصل تم کاٹو تو اسے بالیوں میں ہی رہنے دو مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ گے۔‘‘

(47)

سوال: ﴿ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ’’اس نے کہا:’’تم سات سال تک لگاتار کھیتی باڑی کروگے تو جو فصل تم کاٹو تو اسے بالیوں میں ہی رہنے دو مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ﴾ ’’اس نے کہا:’’تم سات سال تک لگاتار کھیتی باڑی کروگے‘‘ سیدنا یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتانے کے ساتھ قحط دور کرنے کی تدبیر بھی بتادی جس پر عمل پیرا ہونے سے وہ لوگ قحط سے بچ سکتے تھے۔(2) سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سالوں میں جتنا غلہ اگاؤ گے۔(3)﴿ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ ﴾ ’’تو جو فصل تم کاٹو تو اسے بالیوں میں ہی رہنے دو‘‘ اپنی ضرورت کے مطابق بالیوں سے الگ کرکے باقی غلے کو بالیوں میں ہی محفوظ کرلینا تاکہ ضرورت سے زیادہ اناج کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکے۔(4) بالیوں میں رکھنے کی وجہ سے غلہ زیادہ عرصے تک باقی رکھا جاسکتا ہے اور اس کے ضائع ہونے کا امکان کم ہوتا ہے۔

(5)﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ''مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ گے'' سیدنا یوسف علیہ السلام نے نصیحت کی کہ استعمال کے لیے بھی کم سے کم نکالو تا کہ زیادہ غلے سے قحط کے دنوں میں فائدہ اٹھا سکو جو کہ لگا تار سات سال ہیں۔ یہی سات سال دبلی گائے ہیں جو موٹی گایوں کو کھا جائیں گی کیونکہ جو کچھ آپ لوگ ان سالوں میں جمع کرو گے وہ ختم ہو جائے گا۔

﴿ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ (48) ﴾

''پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے جو سب کچھ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے جمع کیا تھا، اس تھوڑی سی مقدار کے سوا جسے تم محفوظ رکھو گے۔''(48)

سوال: ﴿ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴾ ''پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے جو سب کچھ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے جمع کیا تھا، اس تھوڑی سی مقدار کے سوا جسے تم محفوظ رکھو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ ''پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے''یعنی ان سرسبز و شاداب سات سالوں کے بعد۔ (2)﴿ سَبْعٌ شِدَادٌ ﴾ ''سات سخت سال'' خشک سالی کے سات سال آئیں گے۔(3)﴿ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ ﴾ ''جو سب کچھ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے جمع کیا تھا'' ان سالوں میں کچھ بھی نہیں پیدا ہو گا بلکہ وہ سال وہ سب کچھ کھا جائیں گے جو آپ نے ذخیرہ کیا ہو گا خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔(4)﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴾ ''اس تھوڑی سی مقدار کے سوا جسے تم محفوظ رکھو گے''یعنی وہ قلیل مقدار رہ جائے گی جو تم اگلی فصل کے لیے بیج کے طور پر رکھو گے۔(5) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں تاخیر کی تو آپ نے ان کے حق میں بددعا کی کہ اے اللہ! ان پر سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا سا قحط نازل فرما۔ چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ کوئی چیز نہیں ملتی تھی اور وہ ہڈیوں کے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ لوگوں کی اس وقت یہ کیفیت تھی کہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کے دیکھتے تھے تو بھوک و پیاس کی شدت سے دھواں سا نظر آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تو آپ انتظار کیجئے اس روز کا جب آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو'' اور فرمایا ''بے شک ہم اس عذاب کو ہٹا لیں گے اور تم بھی (اپنی پہلی حالت پر) لوٹ آؤ گے۔'' (صحیح بخاری:4693) (6) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عذاب سے یہی قحط کا عذاب مراد ہے کیونکہ آخرت کا عذاب کافروں سے ٹلنے والا نہیں ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

﴿ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ (49) ﴾

''پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے۔''(49)

سوال: ﴿ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴾ ''پھراس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اوراس میں وہ رس نچوڑیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ ﴾ ''پھراس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا'' سیدنا یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ قحط کے سات سالوں کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارشیں ہوں گی۔ (2) ﴿ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴾ ''جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اوراس میں وہ رس نچوڑیں گے'' اس سال بہت کثرت سے بارشیں ہوں گی، بہت غلہ، زیتون اور انگور پیدا ہوں گے جو ان کی ضروریات سے زیادہ ہوں گے حتیٰ کے وہ زیتون اور انگوروں سے تیل اور رس نچوڑیں گے۔ اس سال میں جانور بھی خوب دودھ دیں گے۔

آخری آیات

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ (50) ﴾

''اور بادشاہ نے کہا: ''اسے میرے پاس لاؤ!'' پھر جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا: ''تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ سو اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیے تھے؟ یقیناً میرا رب ان کے فریب کا خوب جاننے والا ہے۔'' (50)

سوال: ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور بادشاہ نے کہا: ''اسے میرے پاس لاؤ!'' پھر جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا: ''تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ سو اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیے تھے؟ یقیناً میرا رب ان کے فریب کا خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور بادشاہ نے کہا: ''اسے میرے پاس لاؤ!'' عزیز مصر نے عجیب خواب کی تعبیر اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا یوسف علیہ السلام کی زبانی سنی تو ان کی فضیلت اور علم تعبیر میں ان کی معلومات اور مہارت، ان کا رعایا کی خیر خواہی کا جذبہ اسے متاثر کر گیا۔ بے ساختہ بادشاہ نے کہا: اسے قید خانے سے نکال کر میرے پاس لاؤ۔ ایسے شخص کی تو بادشاہ کو ضرورت ہے جو ایسے سخت حالات میں مخلصانہ مشورے دے۔ (2) ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ ﴾ ''پھر جب قاصد اس کے پاس آیا'' پھر جب شاہ مصر کا قاصد سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس آیا۔ (3) ﴿ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ ﴾ ''تو اس نے کہا: ''تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ'' بادشاہ کے بلاوے پر سیدنا یوسف علیہ السلام نے قاصد سے کہا کہ آپ واپس جاؤ اور میرا پیغام پہنچاؤ۔ (4) ﴿ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ﴾ ''سو اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں

نے اپنے ہاتھ کاٹ دیے تھے؟'' سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنا مطالبہ سامنے رکھا کہ پہلے اس الزام کی تحقیق کریں جس کی پاداش میں جیل بھیجا گیا جب تک اس سے بری نہ ہو جاؤں، جب تک لوگوں پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مجھے جرم کی وجہ سے نہیں ظلم سے قید کیا گیا اس وقت تک قید خانے سے باہر نہیں آؤں گا۔ان عورتوں کو بلوا کر تحقیق کریں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ان سے پوچھا جائے کہ آخر سچ کیا تھا؟اور یوسف علیہ السلام کا قصور کیا تھا؟ (5) یوسف علیہ السلام نے قاصد کو تحقیق کروانے کا پیغام دے کر بھیجا یہ ان کی عقل، صبر اور دلائل کی پختگی کا ثبوت ہے۔ (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا عرصہ جیل میں ٹھہرتا جتنا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام ٹھہرے تھے اور میرے پاس بلانے کے لیے داعی آتا تو میں (فوراً) اس کی بات قبول کرتا اور جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا: ﴿ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴾ ''سو اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیئے تھے؟'' یقیناً میرا رب ان کے مکر سے واقف ہے۔(یوسف:50) اور اللہ تعالیٰ سیدنا لوط علیہ السلام پر رحمت کرے، وہ تو کسی مضبوط آسرے کا سہارا لینا چاہتے تھے۔جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ﴿ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ۝ ﴾ ''کاش تمہارے مقابلے کی میرے پاس قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا!'' (ہود:80) سو ان کے بعد جب بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی بھیجا تو اسے اس کی قوم کے لوگوں کے انبوہ کثیر میں بھیجا۔'' (الصحیحۃ:1867) (7) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے، کے صبر اور کشادہ دلی پر بڑا تعجب ہے، جب ان کی طرف خواب کی تعبیر بیان کرنے کا پیغام بھیجا گیا۔اگر میں وہاں ہوتا تو تعبیر بیان کرنے سے پہلے (جیل سے) باہر نکل آتا۔پس ان کے صبر اور فیاضی پر بڑا تعجب ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے، ان کے پاس آدمی آیا تا کہ وہ باہر نکل آئیں لیکن وہ اس وقت تک نہ نکلے، جب تک ان پر اپنے عذر کی وضاحت نہیں کر دی۔اگر میں ہوتا تو دروازے کی طرف لپک پڑتا۔اگر ''اپنے آقا کے پاس میرا تذکرہ کرنا'' (سورۃ یوسف:42) والی بات نہ ہوتی تو وہ جیل میں نہ ٹھہرتے، جبکہ وہ غیر اللہ سے پریشانی کا ازالہ چاہ رہے تھے۔'' (صحیحہ:1945) (8) ﴿ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴾ ''یقیناً میرا رب ان کے فریب کا خوب جاننے والا ہے'' یعنی میرا رب تو ان کے فریب سے واقف ہے۔وہ ضرور مجھے اس حالت سے نکال دے گا۔

﴿ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ (51) ﴾

''بادشاہ نے کہا: ''تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکانے کی کوشش کی تھی'' انہوں نے کہا: ''اللہ کی پناہ! اس میں ہم نے کوئی بھی برائی معلوم نہیں کی۔'' عزیز کی بیوی نے کہا: ''اب حق کھل گیا ہے، میں نے ہی اسے بہکانے کی کوشش کی تھی۔اور بلاشبہ وہ یقیناً سچے لوگوں میں سے ہے۔'' (51)

سوال1: ﴿ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ﴾ ''بادشاہ نے کہا: ''تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکانے کی کوشش کی تھی'' انہوں نے کہا: ''اللہ کی پناہ! اس میں ہم نے کوئی بھی برائی معلوم نہیں کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ ﴾ ''بادشاہ نے کہا'' شاہ مصر نے عزیز کی بیوی اور ان تمام عورتوں کو بلوایا اور ان سے پوچھا۔ (2) ﴿ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ ''تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکانے کی کوشش کی تھی'' یعنی اس معاملے کی کیا حقیقت ہے جب نے تم یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کی تھی کیا تم لوگوں نے اس میں کوئی برائی دیکھی تھی؟ (3) ﴿ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ﴾ ''انہوں نے کہا: ''اللہ کی پناہ! اس میں ہم نے کوئی بھی برائی معلوم نہیں کی'' عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا اقرار کیا اور کہا حاش للہ۔ (4) حاش حاشا (الف کے ساتھ) اس کا معنی پاکی بیان کرنا اور استثناء کرنا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) (5) ﴿ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ﴾ ''اس میں ہم نے کوئی بھی برائی معلوم نہیں کی'' انہوں نے کہا ہم نے اس میں کوئی برائی، کوئی عیب نہیں دیکھا۔ وہ الزام سے بری اور بے گناہ ہیں۔

سوال2: ﴿ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۵۱ ﴾ ''عزیز کی بیوی نے کہا: ''اب حق کھل گیا ہے، میں نے ہی اسے بہکانے کی کوشش کی تھی اور بلاشبہ وہ یقیناً سچے لوگوں میں سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ﴾ ''عزیز کی بیوی نے کہا: ''اب حق کھل گیا ہے، میں نے ہی اسے بہکانے کی کوشش کی تھی'' سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں جب عورتوں نے گواہی دی تو عزیز مصر کی بیوی کے الزام کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ (2) عزیز کی بیوی نے عورتوں کی گواہی سن کر کہا۔ اب صحیح بات ظاہر ہوگئی ہے۔ (3) ﴿ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۵۱ ﴾ ''میں نے ہی اسے بہکانے کی کوشش کی تھی اور بلاشبہ وہ یقیناً سچے لوگوں میں سے ہے'' ہم ہی نے انہیں ان کی مرضی کے خلاف بہکانا چاہا اور وہ تہمت لگائی جوان کی قید کا سبب بنی اور یوسف علیہ السلام نے جو کچھ بتایا تھا وہ سچ تھا۔ (4) یعنی یوسف علیہ السلام اپنے اقوال اور اپنی براءت کے دعوے میں سچے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1263/2)

﴿ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ (52) ﴾

''یہ اس لیے ہے کہ عزیز جان لے کہ یقیناً میں نے عدم موجودگی میں اس سے خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب چلنے نہیں دیتا۔'' (52)

سوال1: ﴿ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ﴾ ''یہ اس لیے ہے کہ عزیز جان لے کہ یقیناً میں نے عدم موجودگی میں اس سے خیانت

نہیں کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ ذٰلِكَ ﴾'' یہ''عزیز مصر کی بیوی نے اس موقعے پر کہا کہ حق یہ ہے کہ میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی۔(2) ﴿ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ﴾'' اس لیے ہے کہ عزیز جان لے کہ یقیناً میں نے عدم موجودگی میں اس سے خیانت نہیں کی''یعنی میں نے یہ اقرار اس لیے کیا ہے تا کہ میرا شوہر جان لے کہ میں نے یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش ضرور کی مگر اس کے پیچھے اس کی عدم موجودگی میں اس کے ساتھ خیانت نہیں کی۔میں نے عزیز مصر کے بستر کو خراب نہیں کیا۔(3) اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یوسف علیہ السلام ہوں، یعنی تا کہ یوسف علیہ السلام جان لے کہ وہ سچا ہے اور میں نے ہی اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔جب وہ میرے پاس موجود نہیں تھا تو میں نے اس کے ساتھ خیانت نہیں کی۔(تفسیر سعدی:1263/2)

سوال 2:﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴾'' اور یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب چلنے نہیں دیتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)'' اور یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب چلنے نہیں دیتا''یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کار کی چال کو چلنے نہیں دیتے اور نہ اس کی کوشش کے لیے راہ نمائی کرتے ہیں۔(المحرر الوجیز:253/3)(2) یہ لازمی امر ہے کہ خائن کی خیانت اور اس کی سازش کا وبال آخر کار اسی کی طرف پلٹے گا اور حقیقت حال ضرور واضح ہوگی۔(تفسیر سعدی:1263/2)